وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

سیرت، اخلاق، عادات و خصائل

صحبت حبیب ﷺ میں 40 مجلسیں

تالیف: عادل بن علی الشدی حفظہ اللہ

استاد تفسیر و علوم القرآن کنگ سعود یونیورسٹی

ترجمہ: شفیق الرحمن ضیاء اللہ مدنی حفظہ اللہ

نظر ثانی: ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ تصدیر: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت، اخلاق، عادات، خصائل

صحبتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چالیس مجلسیں

نام کتاب : صحبتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چالیس مجلسیں

مصنف : دکتور عادل بن علی الشدی حفظہ اللہ

استاد تفسیر و علوم القرآن کنگ سعود یونیورسٹی

ترجمہ : شفیق الرحمٰن ضیاء اللہ مدنی حفظہ اللہ

نظر ثانی : ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تصدیر : حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ناشر : المنار پبلیکیشنز لاہور

المنار پبلیکیشنز

Al-Manar Publication

Cell: 03234869781

فہرس

تقدیم

إِنَّ الحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ ، وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ أَشْھَدُأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ ۔

أَمَّا بَعْدُ:

قارئینِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

امام الانبیاء والرسل ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے بارے میں عہدِ قدیم سے لے کر آج تک لکھا جارہا ہے اور قیامت تک لکھا جاتا رہے گا، مسلمان بھی لکھ رہے ہیں اور کافر بھی، تاہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گلہائے عقیدت ومحبت کو پیش کرنے کا طریقہ ہر کسی کا اپنا اپنا ہے۔

ع، ہر گلے رارنگ وبوئے دیگراست

وہ مصنف بھی غیر مسلم ہی ہے جس نے نبیٔ اکرم ﷺ کو ساری نوعِ انسانیت کی سب سے اعلیٰ و مؤثر ترین شخصیت قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل MICHAL H. HART کی معروف تالیف (THE 100: A Ranking of the most influential personsin history) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اسی سلسلۂ الذھب کی ایک کڑی یہ سنہرے کلماتِ سیرت النبی ﷺ پر مشتمل یہ کتاب بھی ہے، جس کے مؤلف کنگ سعود یونیورسٹی الریاض (سعودی عرب) کے پروفیسر ڈاکٹر عادل علی الشدی حفظہ اللہ ہیں اور اس کا ترجمہ شیخ شفیق الرحمٰن ضیاء اللہ مدنی حفظہ اللہ نے کیا جو کہ نیٹ پر موجود ہے، لیکن اسے پبلش کرنے کا اعزاز جناب محمد عبدالرحیم صاحب کو حاصل ہو رہا ہے۔

مؤلف نے جس طرح سیرت کے بیان میں اختصار کو پیشِ نظر رکھا ہے اسی طرح تخریج وحوالہ جات میں بھی نہایت اختصار برتا ہے اور مترجم بھی اسی کے پابند رہے، تاہم وقت کے تقاضا وضرورت

کے پیشِ نظر ہم نے اس میں قدرے وسعت سے کام لیتے ہوئے احادیث کی مفصل تخریج اور ممکنہ حوالہ جات میں سے تمام اہم حوالے ذکر کر دیئے ہیں۔ نیٹ پر موجود کتاب اور اس ایڈیشن کو دیکھنے والے قارئینِ کرام بآسانی اندازہ کر سکیں گے کہ اس کے کئی امتیازات ہیں مثلاً:

① جہاں جہاں ترجمے میں کوئی جھول تھا، اس کی نوک پلک سنوار دی ہے۔

② پیراگرافی کے قواعد وضوابط کے مطابق کمپوزنگ ہے۔

③ کہیں کہیں بعض عبارات کا ترجمہ چھوٹ گیا تھا، اسکی تکمیل کر دی ہے، اور اعراب کی جہاں کمی تھی وہ بھی پوری کر دی ہے۔

④ بعض جگہوں پر وضاحتی حواشی کا اضافہ کر دیا ہے۔

⑤ بکثرت جگہوں پر دعائیہ کلمات رضی اللہ عنہ، رضی اللہ عنھم، علیہ السلام، علیھم السلام وغیرہ نہیں تھے وہ حسبِ مراتب وتعداد ذکر کر دیئے ہیں۔

⑥ بعض مقامات جہاں قرآنی کلمات یا حدیثی نصوص کا تذکرہ ضروری تھا وہ ذکر کر دی گئی ہیں۔

⑦ یوں کتاب کی معنوی قدر وقیمت کی طرح اسکے ظاہری حُسن میں بھی نمایاں اضافہ ہوگیا ہے وللہ الحمد

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مؤلف، مترجم، راقم الحروف، طابع وناشر اور اس کتاب کی طباعت واشاعت میں کسی طرح کا بھی تعاون کرنے والے ہر شخص کی محنت وتعاون کو شرفِ قبول سے نوازے اور جزائے خیر دے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ — ۲۹/۵/۱۴۳۸ھ

ترجمان سپریم کورٹ، الخبر — ۲۶/۲/۲۰۱۷ء

وداعیہ متعاون اسلامک سنٹرز (سعودی عرب)

website:www.mohammedmunirqamar.com

تصدیر

زیرِ نظر کتاب ''صحبتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چالیس مجلسیں'' سیرت کے موضوع پر لکھی ہوئی ایک اچھوتی کتاب ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے تمام گوشوں کو چالیس مجلسوں کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ انداز بیان دلچسپ بھی ہے اور نہایت معتبر بھی، یعنی مستند حوالوں سے مزین۔ کوئی بات ثقاہت سے گری ہوئی ہے نہ حوالے کے بغیر۔

اس کے فاضل مصنف سعودی عرب (ریاض) کے ڈاکٹر عادل بن علی، ملک سعود یونیورسٹی کے استاد تفسیر وعلوم قرآن ہیں۔ مترجم شفیق الرحمٰن ضیاء اللہ مدنی ہیں۔ نظر ثانی کرنے والے جماعت اہلحدیث کے نامور محقق، مصنف، مترجم ابوعدنان محمد منیر قمر صاحب حفظ اللہ ہیں۔

مؤلف سے لے کر نظر ثانی کرنے والے تک یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جسے بلا مبالغہ سلسلۃ الذہب قرار دیا جاسکتا ہے جس کے بعد ان سب کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

راقم صرف یہی عرض کرسکتا ہے کہ یہ کتاب جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ جمیل، محاسنِ سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے نظیر تعلیمات کا حسین مرقع ہے، اسی طرح حسنِ طباعت کا بھی دل آویز پیکر ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی ان مساعیٔ حسنہ کو قبول فرمائے، اسے بادیۂ ظلمات وضلالت میں بھٹکنے والوں کے لیے مینارۂ نور بنادے اور اس کے ذریعے سے بے عملوں کو عملِ خیر کی توفیق و

سعادت سے نوازدے۔

اللہ تعالیٰ اس کے ناشر محمد عبدالرحیم صاحب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کا حسنِ انتخاب بھی قابلِ داد ہے اور جذبہ اشاعت بھی تحسین وتبریک کا مستحق۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء و تقبل اللہ جھودھم

صلاح الدین یوسف

۱۲۴/۴۰ شاداب کالونی

علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہولاہور

۸ مئی ۲۰۱۷ء

۰۳۲۱۴۱۳۳۶۷۵

مقدمہ

ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیئے ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ کو معلم و مربی اور ہادی و مرشد بنا کر بھیجا جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ [1]

''بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اور درود و سلام نازل ہو ساری مخلوق کے اشرف و بہتر، عالمین کے رہبر، متقین کے امام، انبیاء و رسولوں کے خاتم، رحمتِ عالم، رب کے برگزیدہ و چہیتے ہم سب کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ط﴾ [2]

''اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔''

---

[1] سورۃ آل عمران: [۱۶۴]

[2] سورۃ القصص: [۶۸]

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۚ﴾ [1]

’’فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔‘‘

چنانچہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ’’گواہی دینے والا، جنت کی خوشخبری دینے والا، جہنم سے ڈرانے والا، اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اسکی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر چلنے والے کے لیے عزت وسعادت اور وقار افتخار لکھ دیا ہے ,اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کرنے والے کے لیئے ذلت و بدبختی اور رسوائی کو مقدر کردیا ہے۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی رحمت وسلامتی نازل ہو شب وروز کی آمد ورفت اور نیک لوگوں کے ذکر کرتے رہنے تک۔

حمد وثناء کے بعد! معلوم ہونا چاہیئے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے بہتر کوئی مجلس نہیں اور اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تو دنیا میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیک صحبت ومجالست کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت ودعوت ارشاد اور علم سے مستفید ہونے کا نیک موقع میسر ہوا اور اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے لیئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسنت اور اسوۂ حسنہ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے خدوخال کو پڑھنے کا راستہ پیدا کیا جو کمالِ رحمت، رواداری، شرافت وکرم اور اخلاقِ کریمانہ سے ممتاز مقام کا مالک ہے۔

کافی عرصے سے میرے ذہن میں یہ فکر دامن گیر تھی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے

---

[1] سورۃ الحج: [۶۸]

بارے میں ایک مختصراور آسان مجلس ترتیب دی جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وطریقہ اورزندگی کے قابلِ اقتدا پہلوؤں کو مسلمانوں کے لیئے قریب کردے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ کے مندرجہ ذیل فرمان پر روبہ عمل ہونے میں معاون ومددگار ثابت ہوسکے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾[1]

''یقیناً تمہارے لیئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔''

اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾[2]

''اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔''

میں نے ان مجالس میں بے جا حواشی سے اجتناب کیا ہے تا کہ قارئین کو اصل مقصد سے نہ پھیر دیں، میں شکر گزار ہوں ہر اس شخص کا جس نے میری اس کتاب کو موجودہ شکل میں منظر عام پر لانے میں اپنی فکر وکاوش کے ذریعے تعاون فرمایا اور خاص طور اپنے بھائی پروفیسر/ خالد ابو صالح کا جنہوں نے مادہ علمیہ کے جمع وترتیب میں کافی محنت کی اور پروفیسر/ محمد الطایع کا جنہوں نے تصحیح اور نظر ثانی کا کام انجام دیا اور فسطاط پریس کے مالک جناب/ امام عرفہ کا جنہوں نے اس کتاب کی طباعت میں کافی محنت کی اور مفت تقسیم کرنے والوں کے لیئے اس کتاب کی قیمت کم کرنے میں تعاون کیا۔

---

[1] سورۃ الاحزاب: [۲۱]

[2] سورۃ الحشر: [۷]

میں اس مجلس کے پڑھنے والے ہر قاری سے امید کرتا ہوں کہ اپنی غائبانہ دعا میں اپنے اس بھائی کو نہ بھولے۔ اور اگر اس کتاب کے سلسلے میں کوئی ملاحظہ یا تعلیق ہو تو ہمیں مطلع فرمائے۔ [1]

اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ ہم سب کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق بخشے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک سیرت وسنت کا خادم بنائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے ذریعے دنیا وآخرت میں ہمارے مراتب ودرجات کو بلند فرمائے اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ومعیت عطا کرے اور ہمارے اعمال کو اپنی ذات ورضا کے لیے خالص بنائے آمین۔

وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلَىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

د/عادل بن علی الشدی
استاد التفسیر و علوم القرآن المشارک بجامعة الملک سعود
وخطیب جامع سکن وزارة الخارجیة بالریاض

[1] ہمارا ای میل ایڈریس یہ ہے: adelalshddy@hotmail.com

پہلی مجلس

حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم... ①

اللہ رب العزت نے نبیِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کر کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے سورج کو طلوع کر کے ہم پر نہایت ہی کرم واحسان کیا ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[1]

"بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

بلاشبہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پر بہت سارے حقوق ہیں، جن کا ادا کرنا اور ان پر مواظبت وہمیشگی برتنا ضروری ہے، اور ان کو ضیاع وبرباد کرنے اور ان کی ادائیگی میں سستی وکاہلی برتنے سے بچنا ضروری ہے اور انہی حقوق میں سے چند ایک یہ ہیں:

پہلا حق: نبیِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا:

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے سب سے پہلا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا ہے، لہذا جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے

---

[1] سورۃ آل عمران: [۱۶۴]

اور آپ ﷺ کے آخری نبی ورسول ہونے کو تسلیم نہ کرے وہ کافر ہے اگرچہ وہ سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہو۔

قرآنِ کریم میں نبی ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی رسالت میں شک نہ رکھنے کے سلسلے میں بہت سی آیتیں وارد ہوئی ہیں، انہی میں سے اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا ﴾ [1]

''سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔''

اور دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ﴾ [2]

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک وشبہ نہ کریں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرنا تباہی اور دردناک عذاب کا سبب ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ﴾ [3]

''یہ (اس بات کی سزا) ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو بے شک اللہ

---

[1] سورۃ التغابن: [۸]

[2] سورۃ الحجرات: [۱۵]

[3] سورۃ الانفال: [۱۳]

تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد [ﷺ] کی جان ہے! اس امت کا جو بھی شخص میرے بارے میں سنے چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی پھر وہ میری رسالت پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمی ہوگا۔'' [1]

دوسرا حق: آپ ﷺ کی اتباع و پیروی کرنا:

آپ ﷺ کی اتباع و پیروی آپ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقی دلیل ہے، لہٰذا جو شخص نبی ﷺ پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اور آپ ﷺ کے اوامر و نواہی کا پاس نہیں رکھتا اور نہ ہی آپ ﷺ کی سنتوں میں سے کسی سنت کی پیروی کرتا ہے تو وہ اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹا ہے کیونکہ ایمان دل میں بیٹھ جانے اور اعمال کے ذریعے اس کی تصدیق (سچ کر دکھانے) کا نام ہے۔

اللہ رب العالمین نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اس کی رحمت صرف اتباع و پیروی کرنے والوں کو ہی حاصل ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ [2]

''اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے رسول نبی اُمیّ کی اتباع کرتے ہیں۔''

---

[1] رواہ مسلم: [۱۵۳]، صحیح الجامع الصغیر للالبانی: [۷۰۶۳]

[2] سورۃ الاعراف: [۱۵۶: ۱۵۷]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کے طریقے سے اعراض کرنے والوں اور آپ ﷺ کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کو دردناک عذاب کی دھمکی دی ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾[1]

''سنو جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حکم کو بسر و چشم قبول کرنے اور اس حکم کے ساتھ انشراح صدر کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ ﴾[2]

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔''

تیسرا حق: آپ ﷺ سے محبت کرنا:

آپ ﷺ کے امتیوں پر آپ ﷺ کے حقوق میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ: آپ

---

[1] سورۃ النور: [۶۳]

[2] سورۃ النساء: [۶۵]

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کامل وعظیم ترین محبت کا اظہار کیا جائے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''تم میں کوئی شخص اسوقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جبتک کہ میں اسکے نزدیک اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''[1]

پس جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے تو وہ مومن نہیں ہے اگرچہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے نام سے موسوم کرتا پھرے اور مسلمانوں کے درمیان زندگی گزارے۔

اور سب سے عظیم محبت یہ ہے کہ انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے نفس (جان) سے بھی زیادہ محبت کرے، کیونکہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب تک میں تمہارے نزدیک تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک اللہ کی قسم! اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اب اے عمر''۔''[2]

چوتھا حق: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و مدد کرنا:

یہ حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی تاکیدی حقوق میں سے ہے، رہی بات زندگی کی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمایت کا تعلق ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا باطل پرستوں کے حیلوں، جاہلوں کی تحریف اور طعن پرستوں کے طعن سے

---

[1] رواہ البخاری: [۱۴، ۱۵]، مسلم: [۴۴] صحیح نسائی: [۵۰۳۰]، صحیح ابن ماجہ: [۵۶]، صحیح ابن حبان: [۱۷۹]

[2] رواہ البخاری: [۶۶۳۲]

تحفّظ اور دفاع کرنا ہے۔

اسی طرح جب بھی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسخر واستہزاء کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے القاب سے متصف کرے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے لائق وزیبا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا دفاع کیا جائے گا۔

موجودہ دور میں بہت سے پروپیگنڈے کیئے جارہے ہیں جن کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت پر طعن وتشنیع کی جارہی ہے، اس لیئے امت کے تمام لوگوں پر یہ واجب ہے کہ اپنی قوت وطاقت اور دباؤ کے ساتھ، اپنے تمام وسائل وذرائع کے ذریعے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کے لیئے کمر بستہ ہو جائیں تا کہ اعداء اسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اپنی افترا پردازیوں، بہتان تراشیوں اور جھوٹی باتوں سے باز آجائیں۔

دوسری مجلس

حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...②

پانچواں حق: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو عام کرنا:

بے شک یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وفاداری میں سے ہے کہ ہم پورے عالم میں اسلام کی نشر واشاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی تبلیغ کریں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''میری طرف سے پہنچاؤ (تبلیغ کرو) اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''[1]

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت کی توفیق دیدے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''[2]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر بھی دی ہے کہ:

''آپ روزِ قیامت تمہاری کثرت تعداد کے سبب دیگر انبیاء پر فخر کریں گے۔''[3]

اور امت کی کثرت کے اسباب میں سے ان کا دعوت الی اللہ کے فریضہ کو بجالانا اور لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا ہے اور اللہ رب العزت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دعوت الی اللہ, انبیاء

---

[1] رواہ البخاری: [۳۴۶۱]، ابن حبان: [۶۲۵۶]، مسند احمد: [۱۱/ ۱۸۴، ۱۱۳]

[2] متفق علیہ، بخاری: [۴۲۱۰]، مسلم: [۲۴۰۶]، ابن حبان: [۶۹۳۲]

[3] احمد اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے: صحیح ابی داؤد: [۲۰۵۰]، صحیح النسائی: [۳۲۲۷]، صحیح ابن ماجہ: [۱۵۰۸]، صحیح ابن حبان: [۶۴۴۷]

ورسل علیہم السلام اوران کے پیروکاروں کا وظیفہ ہے،فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾[1]

”آپ کہہ دیجیے میری رائے یہی ہے، میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں۔“

اس لیے امت پرواجب وضروری ہے کہ اپنے اس وظیفہ کو لازم پکڑے رہے جس کے لیے اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے، اور وہ دعوت وتبلیغ اور نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا فریضہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾[2]

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔“

چھٹا حق: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (زندگی میں اور موت کے بعد) تعظیم وتوقیر کرنا:

یہ بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق میں سے ایک حق ہے جس میں بہت سے لوگ کوتاہی کا شکار ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝﴾[3]

---

[1] سورۃ یوسف: [۱۰۸]

[2] سورۃ آل عمران: [۱۱۰]

[3] سورۃ الفتح: [۸:۹]

''یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح وشام۔''

علامہ ابن سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو بجالاؤ جس طرح کہ تمہاری گردنوں پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا احسان ہے۔''

اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ تعظیم وتوقیر اور عزت واحترام کیا کرتے تھے۔ جب آپ گویا ہوتے تو ان میں سے ہر ایک اپنے کانوں کو آپ کی طرف متوجہ کرلیتا گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور جب اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾ [1]

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ آپ سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔''

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! اس کے بعد اب میں آپ سے سرگوشی کرنے والے کی طرح ہی بات کروں گا۔''

رہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد توقیر واحترام کی تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی تعظیم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں (فیصلوں) کو قبول کرکے آپ

[1] سورۃ الحجرات: [۲]

ﷺ کی باتوں کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ اختیار کر کے اور آپ ﷺ کی حدیث کی کسی بھی شخص کی رائے اور مذہب کی بنیاد پر مخالفت نہ کر کے ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول ﷺ کی سنت واضح ہوگئی تو اس کے لیے کسی کے قول کی بنیاد پر اس سنت کو چھوڑ دینا جائز وحلال نہیں۔''

ساتواں حق: جب بھی آپ ﷺ کا ذکر آئے، درود وسلام پڑھنا:

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔''

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔'' [2]

اور آپ ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے:

''قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب مجھ پر سب سے زیادہ

---

[1] سورة الاحزاب: [٥٦]

[2] رواہ مسلم: [٢٥٥١]، صحیح الترمذی: [٣٥٤٥]، مسند احمد: [١٨٩/١٣]، وصححہ احمد شاکر والالبانی، صحیح الجامع الصغیر: [٣٥١٠]

درود بھیجنے والا ہوگا۔"[1]

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"(سب سے بڑا) بخیل وہ شخص ہے جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود (وسلام) نہ بھیجے۔"[2]

بڑی ہی جفا (اور گستاخی) کی بات ہے کہ مسلمان کے کان سے آپ ﷺ کا اسمِ گرامی ٹکرائے اور آپ ﷺ پر درود وسلام نہ بھیجے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جلاء الإفهام في الصلاة والسلام على خير الأنام" میں آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کے بہت سے فائدے ذکر کیے ہیں اس لیے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔

آٹھواں حق: آپ ﷺ کے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی کرنا:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ﴾[3]

"اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور

---

[1] ترمذی: [۴۸۴] نے روایت کیا ہے اور البانی نے اسکو حسن کہا ہے، وابن حبان: [۹۱۱ / ۴۵۵]، شرح السنہ بغوی: [۲ / ۲۸۴]، صحیح الترغیب والترھیب للالبانی: [۱۶۶۸]

[2] احمد: [۳ / ۱۷۷] اور صحیح ترمذی: [۳۵۴۶]، السنن الکبریٰ نسائی: [۹۸۰۲]، صحیح ابن حبان: [۹۰۹] نے روایت کی ہے اور البانی نے صحیح قرار دیا ہے

[3] سورۃ المجادلہ: [۲۲]

اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوستی میں سے:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوستی و محبت رکھنا، ان کے ساتھ بھلائی و نیکی کرنا، ان کے حق کو پہچاننا، ان کی مدح سرائی کرنا، ان کی اقتدا کرنا، ان کے لیئے مغفرت طلب کرنا اور ان کے درمیان جو کچھ اجتہادی طور پر اختلاف رونما ہوا اس کے بارے میں کلام کرنے سے اپنی زبان روک لینا اور جو ان سے دشمنی کرے یا انہیں سب وشتم کرے یا ان میں سے کسی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے تو اس سے دشمنی رکھنا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آلِ بیت سے محبت و دوستی رکھنا اور ان کا دفاع کرنا اور ان کے بارے میں غلو سے باز رہنا۔

اور اسی موالات میں سے علماء اُھلِ سنت سے محبت و دوستی رکھنا، ان کے نقائص تلاش کرنے (عیب جوئی کرنے) اور ان کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے سے باز رہنا بھی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوستی ہی میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کافر و منافق دشمن اور صاحبِ بدعت وضلالت وغیرہ سے دشمنی رکھنا بھی ہے۔

اہلِ بدعت واہواء میں سے کسی شخص نے ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

''میں آپ سے صرف ایک کلمہ پوچھنا چاہتا ہوں؟ تو ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے منہ پھیر لیا اور اپنی انگلی سے اشارہ فرما رہے تھے کہ:

''آدھا کلمہ بھی نہیں، اور یہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی تعظیم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی خاطر کیا۔''

تیسری مجلس

رمضان المبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ...①

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رمضان المبارک میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ سب سے اکمل طریقہ تھا، اور مقصود کے حصول کے اعتبار سے سب سے عظیم تھا، اور نفوس پر بہت ہی آسان بھی تھا۔

رمضان المبارک کے روزے کی فرضیت 2ھ میں ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو برس رمضان کا روزہ رکھ کر وفات پائی۔ شروع میں رمضان کے روزے رکھنے یا اسکے بدلے روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا اختیار دیا گیا تھا، پھر بعد میں روزہ رکھنے کو فرض قرار دے دیا گیا، اور بوڑھے مرد اور عورت کے لیئے ان کے روزہ پر عدمِ قدرت کی وجہ سے کھانا کھلانے کو مقرر کر دیا گیا، اور وہ یوں کہ دونوں روزہ نہ رکھیں لیکن ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں گے۔

مسافر اور مریض کے لیئے رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ توڑ دیں اور بعد میں قضا کر لیں۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت جب اپنے نفس پر خوف وخطرہ محسوس کرے تو انہیں بھی یہی رخصت حاصل ہے (کہ افطار کریں اور بعد میں قضا کریں) لیکن اگر انھیں اپنے بچہ پر خوف یا اندیشہ ہو تو وہ قضا کے ساتھ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں گی، کیونکہ انکا افطار کرنا مرض کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ صحت کی حالت میں ہے تو اس کمی کو مسکین کو کھانا کھلانے کے ذریعے پورا کر دیا گیا جیسے کہ شروع اسلام میں تندرست آدمی کے لیئے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا کر افطار کرنا جائز تھا۔

کثرت سے عبادت کرنا:

رمضان کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے عبادت کیا کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام

رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریل علیہ السلام سے ملاقات کرتے تو تیز ہوا سے بھی زیادہ بھلائی کے کاموں میں سخاوت کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سے سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں سب سے زیادہ سخاوت کیا کرتے تھے۔ کثرت سے صدقہ واحسان، تلاوت قرآن، نماز، ذکر اور اعتکاف کیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں جتنی عبادت کرتے تھے اتنی کسی دوسرے مہینے میں نہ کرتے تھے یہاں تک کہ بسا اوقات آپ رمضان میں مسلسل (رات و دن) روزے سے رہتے تھے تا کہ اس کے دن و رات کے کچھ زیادہ گھنٹے عبادت کے لیئے خاص کر سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل روزہ رکھنے سے منع فرمایا کرتے تھے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے کہ:

> ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مسلسل روزہ رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے کہ: ''میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، میں رات گزارتا ہوں۔'' اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔'' [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتیوں پر رحم کھا کر وصالِ صوم سے منع فرمایا ہے اور سحری کے وقت تک وصال کو جائز قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

> ''تم صوم میں وصال نہ کرو، تم میں سے جو شخص وصال کرنا چاہے تو سحری کے وقت تک کر سکتا ہے۔'' [2]

---

[1] متفق علیہ، بخاری: [۱۹۲۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۷]، صحیح مسلم: [۱۱۰۲، ۱۱۵۵]، ابوداوٗد: [۲۳۶۰، ۲۳۶۱، ۲۳۶۷]، مسند احمد: [۸/ ۲۳۹]

[2] بخاری: [۱۹۶۳، ۱۹۶۷]، صحیح ابی داوٗد: [۲۳۶۱]، تفسیر الطبری: [۲/ ۲۳۶]

یہ سب سے منصفانہ وصال ہے اور روزہ رکھنے والے کے لیئے سب سے سہل اور آسان بھی ہے۔ یہ درحقیقت شام کا کھانا کھانے کی طرح ہے مگر کچھ تاخیر سے کیوں کہ روزہ دار کے لیئے دن ورات میں ایک بار کھانا کھانا ہے، اگر اس نے سحر کے وقت کھایا تو گویا اسے اول شب سے آخری شب میں منتقل کر دیا۔

رمضان کے مہینے کے ثبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر پختہ رؤیتِ ہلال یا کسی معتبر شہادت وگواہی کے ثبوت کے بغیر روزہ نہیں رکھتے تھے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے روزہ رکھا۔ اور ایک مرتبہ ایک دیہاتی کی گواہی کی بنیاد پر روزہ رکھا، اور ان دونوں کی خبر پر اعتماد کیا اور انہیں شہادت (کی ادائیگی) کا مکلّف نہیں بنایا۔ اگر وہ خبر ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں خبرِ واحد پر اکتفا کرتے اور اگر گواہی ہوتی تو گواہی دینے والے کو شہادت کا مکلّف نہ بناتے اور اگر دونوں یعنی رؤیت وشہادت نہ ہوتیں تو شعبان کے تیس دن پورے کرتے۔ اگر تیس کی رات کو چاند دیکھنے میں بادل حائل ہو جاتا تو شعبان کے تیس دن مکمل کرتے پھر روزہ رکھتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادل کے دن روزہ نہیں رکھتے تھے، نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادل کی وجہ سے شعبان کے تیس دن مکمل کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس لیئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل بھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد:

''اگر بادل ہو جائے تو اس کا اندازہ کرو۔'' [1]

کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اندازہ ایک متعین حساب ہے اور اس سے مراد بادل کی صورت میں مہینے کو پورا کرنا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۱۹۰۰، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷]، مسلم: [۱۰۸۰، ۱۰۸۱]، صحیح ابی داؤد: [۲۳۲۰]، صحیح ابن خزیمہ: [۱۹۰۹]، صحیح ابن حبان: [۳۵۹۷]

آپ ﷺ سے منقول ہے:

''شعبان کی مدت کو پورا کرو۔''[1]

رمضان کے مہینے کے خاتمے کے سلسلے میں آپ ﷺ کا طریقہ:

آپ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ رمضان کے روزے کی شروعات کے لیئے ایک آدمی کی گواہی کا حکم دیتے اور اس کے اختتام کیلئے دو آدمیوں کی شہادت کو طلب کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے طریقہ میں سے ہی یہ بھی تھا کہ جب عید کے وقت کے گزر جانے کے بعد دو آدمی رویتِ ہلالِ شوال کی گواہی دیتے تو آپ ﷺ لوگوں کو روزہ توڑ دینے کا حکم دیتے، اور اگلے دن عید کے وقت میں عید کی نماز ادا کرتے۔

[1] بخاری: [۱۹۰۷]، مسلم: [۱۰۸۱]، نسائی: [۲۱۰۸]، ابن خزیمہ: [۱۹۰۹]، صحیح ابی داؤد: [۲۳۲۰]، ابن حبان: [۳۵۹۷]، مسند بزار: [۱۵/ ۲۹۸]

چوتھی مجلس

رمضان المبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ...②

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطار میں جلدی کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دلایا کرتے تھے اور سحری کھاتے، اور سحری کھانے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ سحری میں تاخیر کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور سے افطار کرنے پر ابھارتے، اگر کھجور نہ ہوتی تو پانی سے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت کے ساتھ کمالِ مہربانی اور ان کی خیر خواہی تھی۔ یہ اس لیے کہ طبیعت خالی معدہ کی صورت میں میٹھی چیز کو زیادہ قبول کرتی ہے اور اس سے تقویت بھی حاصل کرتی ہے خاص طور پر قوتِ باصرہ یا نظر کیونکہ اس سے نظر میں تقویت حاصل ہوتی ہے۔

اور مدینہ منورہ کا حلوہ [سویٹس] کھجور ہی تھا اور یہی ان کا جام ومربہ تھا، اور کھجور ہی ان کا کھانا وسالن تھا اور رطب [نیم پختہ یا تر کھجور] اہلِ مدینہ کا میوہ تھا۔

رہی بات پانی کی: تو روزہ کی وجہ سے کلیجہ میں ایک طرح کی خشکی آجاتی ہے، جب اسے پانی سے تر کر دیا جاتا ہے تو اس کے بعد وہ غذا سے مکمل طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اس لئے بھوکے وپیاسے شخص کے لیئے مناسب ہے کہ وہ کھانے سے پہلے تھوڑا سا پانی استعمال کر لے پھر اس کے بعد کھانا تناول کرے۔ مزید برآں کھجور اور پانی میں ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دل کی اصلاح میں خاص تاثیر رکھتی ہے جس کو دلوں کے ڈاکٹر [ہارٹ اسپیشلسٹ] ہی جان سکتے ہیں۔

افطار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے افطار کیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تر کھجوروں سے افطار کیا کرتے تھے۔ اگر رطب یا تروتازہ کھجور نہ پاتے تو سوکھی کھجوروں سے افطار کرتے اور اگر یہ بھی نہ پاتے تو پانی کے چند گھونٹوں پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى" [1]

"پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہو گئیں، اور اگر اللہ نے چاہا تو ثواب ثابت ہو گیا۔"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:

"افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔" [2]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جب رات یہاں (مشرق) سے آجائے اور دن یہاں (مغرب) سے چلا جائے تو روزہ دار نے افطار کر لیا۔" [3]

اس کی یہ تفسیر کی گئی کہ اس نے حکماً افطار کر لیا، اگرچہ اس نے نیت نہ کی ہو، اور ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس کے افطار کا وقت داخل ہو گیا جیسے کہ "أَصْبَحَ" اور "أَمْسَىٰ" کے معنیٰ ہوتے ہیں: صبح کا وقت داخل ہو گیا اور شام کا وقت داخل ہو گیا۔

---

[1] صحیح ابوداؤد: [۲۳۵۷] صحیح الادب المفرد: [۳۸۱]، دارقطنی: [۱/ ۲،۵۱۲/ ۴۰۱] صحیح الجامع الصغیر: [۴۶۷۸]

[2] اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ضعیف ابن ماجہ: [۳۴۵] اتحاف الخیرہ المہرۃ للبوصیری: [۳/ ۱۰۲] وقال اسنادہ صحیح، لہ شاہد۔ الفتوحات الربانیۃ لابن حجر عسقلانی بسند حسنۃ

[3] رواہ بخاری: [۱۹۵۴] و مسلم: [۵۲۹۷] صحیح ابوداؤد: [۲۳۵۲]، ابن حبان: [۳۵۱۲]، مسند احمد: [۱/ ۱۸۶]

روزہ دار کے آداب:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ دار کو جماع، شوروغل، سب وشتم کرنے اور گالی گلوچ کا جواب دینے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ گالی دینے والے شخص سے کہے کہ:

''بے شک میں روزہ سے ہوں۔''[1]

اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: وہ اپنی زبان سے کہے گا اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ:

''وہ اپنے دل سے کہے، نفس کو صوم کے بارے میں یاددہانی کراتے ہوئے۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

''وہ فرض روزہ میں زبان سے کہے گا، اور نفلی روزہ میں اپنے دل میں کہے گا، کیونکہ اس میں ریاکاری سے زیادہ دور رہے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رمضان میں سفر کرنے کا طریقہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دونوں میں سے کسی بھی ایک کے کرنے کا اختیار بھی دیا۔

جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دشمنوں سے قریب ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں افطار کرنے کا حکم دیتے تاکہ لڑائی میں قوت کا مظاہرہ کریں۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر جہاد وغیرہ کے لئے نہیں ہوتا تو افطار کے بارے میں فرماتے:

''یہ رخصت ہے جس نے اسے اختیار کیا اچھا کیا اور جو روزہ رکھنا چاہے

[1] متفق علیہ، مسلم: [۱۱۵۱، ۱۱۵۱]، صحیح ابوداؤد: [۲۳۶۳]، ترمذی: [۷۶۴]، صحیح نسائی: [۲۳۲۵]، صحیح ابن ماجہ: [۱۴۳۰]، ابن حبان: [۳۴۱۶]، ابن خزیمہ: [۱۹۹۴]

تو اس میں کوئی حرج نہیں۔" [1]

آپ ﷺ نے سب سے اہم اور عظیم ترین غزوات: غزوۂ بدر اور غزوۂ فتح مکہ میں (رمضان کے مہینے میں) سفر کیا۔

نبی ﷺ سے سفر کی مدت کی تعیین ثابت نہیں ہے جس میں مسافر افطار کرے گا اور نہ ہی اس بارے میں کوئی چیز آپ ﷺ سے بسندِ صحیح وارد ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جب سفر کا ارادہ کرتے تو بغیر گھروں کی حدود سے تجاوز کیے روزہ افطار کر لیا کرتے تھے اور کہتے کہ یہی آپ ﷺ کا طریقہ وسنت ہے۔ جیسا کہ عبید بن جبر نے فرمایا:

"میں ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ صاحبِ رسول ﷺ کے ساتھ رمضان میں شہرِ فسطاط سے ایک کشتی میں سوار ہوا تو ابھی وہ مکانات کے حدود کو پار نہیں کیئے تھے کہ کھانے کے دسترخوان کو لگانے کے لیئے حکم دیا اور کہا کہ قریب ہو جاؤ، میں نے کہا کہ کیا تمہیں گھر نظر نہیں آ رہے ہیں؟ تو ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کیا تو رسول ﷺ کی سنت سے پھر جانے والا ہے؟"" [2]

اور محمد بن کعب فرماتے ہیں:

"میں رمضان شریف میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ سفر کا ارادہ کیئے ہوئے تھے اور سواری کو ان کی خاطر تیار کر دیا گیا تھا، اور وہ سفر کی پوشاک پہن چکے تھے تب آپ نے کھانا منگوایا اور تناول فرمایا تو میں نے کہا:

---

[1] صحیح مسلم: [۱۱۲۱]، صحیح نسائی: [۲۳۰۲]، صحیح ابن حبان: [۳۵۶۷]، دارقطنی: [۲/ ۲۰۸]، المعجم الوسیط للطبرانی: [۷/ ۳۰۰]

[2] مسند احمد: [۲۷۲۷۵، ۲۷۲۷۷]، ابوداود: [۲۴۱۲]، دارمی: [۱۷۱۳]، معجم الطبرانی الکبیر: [۲/ ۲۷۹]، صحیح ابن خزیمہ: [۲/ ۵۶۲] وصححہ الالبانی فی ارواء الغلیل: [۹۲۸]

''کیا یہ سنت ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ''ہاں، پھر آپ سوار ہو گئے۔''[1]

یہ آثار اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ جو شخص رمضان میں دن کے دوران سفر شروع کرے اس کے لیئے اس میں افطار کرنا جائز ہے۔

---

[1] امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

پانچویں مجلس

رمضان المبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ...③

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں سے ہم بستری کرتے اور جنبی ہوتے اور فجر کا وقت ہوجاتا تو فجر کے بعد یعنی اذان کے بعد غسل کرتے اور روزہ رکھتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض بیویوں کا رمضان میں روزے کی حالت میں بوسہ لیتے۔ اور روزے دار کے بوسہ کو پانی سے کلی کرنے کے مشابہ قرار دیا۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھول کر کھانے اور پینے کے بارے میں سنت:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تھی کہ جو شخص بھول کر کھا پی لے تو اس سے قضا کو معاف کردیتے اور فرماتے کہ:

> ”اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔“[2] لہٰذا اس کھانے اور پینے کی نسبت اس کی طرف منسوب نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے کیونکہ روزہ اس چیز سے ٹوٹتا ہے جسے اس نے کیا ہو اور یہ کھانا اور پینا نیند میں کھانے اور پینے کے مشابہ ہے کیونکہ بھولا اور سویا ہوا شخص تکلیفِ شرع کے دائرہ سے خارج ہے۔“

---

[1] روزہ کی حالت میں اگر آدمی کو خوف ہو کہ بوسہ لینے کی صورت میں وہ نفس پر کنٹرول نہیں کرسکتا تو اہلِ علم نے نزدیک اسکے لیئے بوسہ لینا مکروہ ہے۔ اور اسی میں وہ ٹیکہ بھی شامل ہے جو (دوائی نہیں بلکہ) غذائی ہو۔

[2] بخاری و مسلم، ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ دیکھیئے: صحیح الجامع الصغیر: [٦٥٧٣]

روزہ کوتوڑنے والی چیزیں:

صحیح سند والی احادیث سے ثابت ہے کہ روزہ جان بوجھ کر کھانے پینے [1] پچھنے لگوانے اور جان بوجھ کر قے (اُلٹی) کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

اور قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ جماع (عورت سے ہمبستر) بھی کھانے اور پینے ہی کی طرح مفطر (روزہ توڑنے والا فعل) ہے جسمیں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اور سرمہ کے استعمال کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی حالت میں مسواک کرنا بھی ثابت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ:

- ❖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں اپنے سر پر پانی ڈالتے تھے۔
- ❖ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے تھے لیکن روزہ دار کو ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔
- ❖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانا صحیح سند سے ثابت نہیں۔ یہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔
- ❖ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اول نہار یا آخر نہار (دوسرے دن کے شروع یا آخر) میں مسواک سے منع کرنے کے بارے میں کوئی صحیح بات ثابت ہے۔

اعتکاف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا، تو اسے شوال میں قضا فرمایا۔

ایک مرتبہ عشرۂ اولیٰ میں اعتکاف کیا۔ پھر دوسرے عشرہ میں، پھر تیسرے عشرہ میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسمیں لیلۃ القدر کو تلاش کرتے۔ پھر واضح ہوا کہ یہ آخری عشرہ میں ہے تو آپ

---

[1] اسی میں کھانے اور پینے کے ہم معنیٰ چیز بھی داخل ہے جیسے طاقتور انجکشن (غذائی ٹیکہ) لگوانا۔ (مؤلف)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد آخری عشرہ ہی میں اعتکاف پر مداومت کی، یہاں تک کہ وفات پا گئے۔

❖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں خیمہ لگانے کا حکم دیتے پھر اسمیں اپنے رب کے ساتھ خلوت و تنہائی میں عبادت کرتے۔

❖ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھ کر خیمہ میں داخل ہوتے۔

❖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال رمضان میں دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے، لیکن جس سال وفات پائی بیس دن کا اعتکاف کیا۔

❖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ہر سال ایک بار قرآن کا دور کیا کرتے لیکن جس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی دو بار دور کیا۔

❖ اسی طرح ہر سال جبرائیل علیہ السلام پر ایک بار قرآن کا دور پیش کیا کرتے تھے مگر جس سال آپ نے وفات پائی دو بار پیش کیا۔

❖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو اپنے خیمہ میں اکیلے داخل ہوتے۔

❖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف کی حالت میں بغیر انسانی ضرورت (قضاء حاجت) کے گھر میں نہیں جاتے۔

❖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے اپنے سر کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف کرتے تو وہ حیض سے ہونے کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کرتیں اور اسے دھوتی تھیں۔

❖ اعتکاف کی حالت میں بعض بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرتیں، جب وہ جانے لگتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لیۓ ان کے ساتھ کھڑے ہوتے، اور یہ سب رات کے وقت ہوتا۔

❖ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف کی حالت میں کسی بیوی سے مباشرت نہیں کرتے تھے، نہ بوسہ لیتے نہ اس کے علاوہ کوئی اور فعل کرتے۔

❖ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیۓ بچھونا لگا دیا جاتا

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعتکاف گاہ میں رکھ دی جاتی۔

❖ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ضرورت کے لئے نکلتے اور راستے میں کسی مریض کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس نہ رکتے اور نہ ہی اس سے کوئی سوال کرتے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترکی کے قبہ (خیمہ) میں اعتکاف کیا اور اس کے دروازے پر چٹائی ڈال دی تاکہ یکسو ہو کر اعتکاف کا مقصود اور اس کی روحانیت حاصل ہو سکے نہ کہ جیسا کہ آج کل جاہل لوگ اعتکاف کی جگہوں کو عیش و آرام کی جگہ اور زائرین کا جمگھٹا بنا لیتے ہیں اور آپس میں گپ شپ کرتے ہیں۔ یہ ان کے اعتکاف کی صورت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتکاف کی صورت کچھ اور ہی تھی اور اللہ ہی توفیق کا مالک ہے۔

چھٹی مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام ونسب کا تذکرہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم اور نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب نامہ اس طرح ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مُرّۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔

اس قدر نسب پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ عدنان، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام:

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک میرے کچھ نام ہیں: میں محمد اور احمد ہوں اور میں ماحی ہوں، میرے ذریعے اللہ کفر کو مٹاتا ہے، اور میں حاشر ہوں، میرے قدموں

---

[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرۂ نسب عرفان تک بالاتفاق ثابت ہے اور آگے آدم علیہ السلام تک بعض ناموں میں اختلاف ہے، اور عدنان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیسویں دادا ہیں۔

كَمْ مِنْ اَبٍ عَلَا بِابْنٍ لَهُ ' كَمَا عَلَا بِرَسُوْلِ اللهِ عَدْنَانُ '

''کتنے اباء واجداد اپنے کسی بیٹے کی وجہ سے رفعت وبلندی کو چھونے لگتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے عدنان کا مقام بلند وبالا ہو گیا ہے۔'' [ابو عدنان]

پر لوگ جمع و اکٹھے ہوں گے۔ اور میں عاقب ہوں، جس کے بعد کوئی آنے والا نہیں۔'' [۱]

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ناموں کے بارے میں بتایا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

'' میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احمد اور مقفّی (جن کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں) ہوں اور حاشر اور نبیِ توبہ اور نبیِ رحمت ہوں۔'' [۲]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی پاکیزگی کے بیان میں:

یہ کسی دلیل کی محتاج نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے بنی ہاشم کے خاندان سے اور قریش کی نسل سے چنا ہے، جو عرب میں سب سے زیادہ شرف والا نسب سمجھا جاتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہیں جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ [۳]

''اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے؟۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام لانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کی شرافت و بلندی کا اعتراف کیا تھا جس وقت بادشاہِ روم ہرقل نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب ونسب کے بارے میں پوچھا تھا تو انھوں نے کہا تھا کہ:

'' وہ ہم میں اعلیٰ و شریف نسب والا ہے، اس پر ہرقل نے کہا: اسی طرح انبیاء اپنی اپنی قوم کے نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔'' [۴]

---

[۱] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۵۳۲]، مسلم: [۲۳۵۴]، صحیح ترمذی: [۲۸۴۰]، صحیح شمائل الترمذی للالبانی: [۳۱۵]

[۲] رواہ مسلم۔ مختصر شمائل الترمذی: [۳۱۶]، صحیح الجامع الصغیر: [۱۴۷۳]

[۳] سورۃ الانعام: [۱۲۴]

[۴] متفق علیہ۔ بخاری: [۷، ۲۹۴۱]، مسلم: [۱۷۷۳]، ابن حبان: [۶۵۵۵]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ عزوجل نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو چنا اور اسماعیل علیہ السلام میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور مجھے بنو ہاشم سے منتخب فرمایا۔'' [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کی پاکیزگی ہی میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو زنا جیسی لرزش سے محفوظ رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح نکاح سے پیدا ہوئے نہ کہ زنا کہ نتیجہ میں۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میں نکاح کے ذریعے پیدا ہوا ہوں نہ کہ زنا سے، آدم علیہ السلام سے لے کر میرے ماں باپ کے مجھے جننے تک مجھے جاہلیت کے زنا سے کچھ بھی نہیں پہنچا۔'' [2]

اور ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''میں آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک ہر پشت میں نکاح کے ذریعے آیا ہوں، زنا کے ذریعے نہیں۔'' [3]

---

[1] رواہ مسلم، صحیح الترمذی: [۳۶۰۵] صحیح الجامع: [۱۷۱۳]

[2] طبرانی نے المعجم الأوسط میں روایت کیا اور علامہ البانی نے اسے (صحیح الجامع: [۳۲۲۵]، ارواء الغلیل: [۱۹۷۲] میں حسن قرار دیا ہے۔

[3] طبقات ابن سعد... وحسنہ الالبانی فی صحیح الجامع: [۱۹۷۲]

ساتویں مجلس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وامانت

بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم میں صداقت وسچائی اور امانت داری میں مشہور تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مابین امین کے لقب سے جانے جاتے تھے، اور اس لقب سے وہی شخص متصف ہوتا ہے جو سچائی وامانت داری اور ان کے علاوہ دیگر خصالِ خیر میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی وامانت داری کی شہادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں نے بھی دی ہے، جیسا کہ ابوجہل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض وعداوت رکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق وسچا جانتا تھا، اسی لئے جب ایک آدمی نے اس سے پوچھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں یا جھوٹے؟ تو اس نے کہا:

> ''تمہاری تباہی وہلاکت ہو، اللہ کی قسم! یقیناً محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] سچے ہیں۔ محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] نے تو کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں، لیکن جب بنو قصیّ ہی نبوت ونگہبانی [کعبہ کی پاسبانی] سقایہ [حجاج کو پانی پلانا] اور علمبرداری لے لیں گے تو بقیہ قریش کیا کریں گے؟''

اور ابوسفیان جو اسلام سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا، جب ہرقل نے اس سے پوچھا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوائے نبوت سے قبل جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟

تو ابوسفیان نے کہا: ''نہیں۔''

ہرقل نے کہا: میں نے تم سے پوچھا کہ کیا تم اسے دعوائے نبوت سے

پہلے جھوٹا گمان کرتے تھے؟ تو تم نے کہا: نہیں، تب میں نے جان لیا کہ وہ لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا تو اللہ پر کیسے جھوٹ بولے گا۔

اور یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں، جب غارِ حرا میں وحی کے نازل ہونے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس کانپتے ہوئے آئے اور کہنے لگے:

”مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔“

تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”خوش ہو جائیے، اللہ کی قسم! اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر گز رسوا نہیں کرے گا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچی باتیں کہتے ہیں....۔“ [۱]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اللہ کا ارشاد:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾﴾ [۲]

”اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرا دے۔“

نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے یہاں تک کہ صفا پہاڑی پر چڑھے اور پکارا:

”ہائے صبح کی بربادی! تو لوگوں نے کہا: یہ کون ہے؟ اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ”تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں یہ کہوں کہ وادی کے پیچھے سے ایک گھڑ سوار دستہ تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟۔“ انہوں نے کہا: ”ہاں! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔“ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میں تم لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی آمد سے ڈراتا ہوں۔“ [۳]

---

[۱] متفق علیہ، بخاری: [۶۹۸۲]، مسلم: [۱۶۰]، ابن حبان: [۳۳]

[۲] سورۃ الشعراء: [۲۱۴]

[۳] متفق علیہ، بخاری: [۴۹۷۱]، مسلم: [۲۰۸]، ابن حبان: [۶۵۵۰]

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت وصداقت نے مشرکین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حکم لگانے کے سلسلے میں مخبوط الحواس کر دیا تھا، کبھی جادوگر و جھوٹا کہتے تو کبھی شاعر سے موسوم کرتے، کبھی کاہن کہتے تو کبھی پاگل و دیوانہ، اور اس پر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت بھی کرتے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ان برے القاب واوصاف سے مبرّا تھی۔

نضر بن حارث جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافی تکلیف پہنچایا کرتا تھا اس نے قریش سے کہا کہ:

''اے قریش کے لوگو! تم ایک ایسے معاملہ سے دوچار ہو گئے ہو جس سے تم اس سے پہلے کبھی دوچار نہیں ہوئے تھے، بے شک محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] تمہارے مابین ایک نوجوان بچہ تھا، تم میں سے سب سے زیادہ عقلمند، سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امین تھا، یہاں تک کہ تم نے اس کی دونوں کنپٹیوں پے (سفید بالوں کی شکل میں) بڑھاپا دیکھ لیا، اور وہ تمہارے پاس وہ چیز لایا جس کے بعد تم نے اسے جادوگر کہا۔ اللہ کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہے، تم نے اسے کاہن کہا اللہ کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں، اور تم نے اسے شاعر کہا اور تم نے اسے پاگل و دیوانہ کہا، پھر نضر نے کہا: اے قریش کی جماعت! تم اپنے بارے میں غور وفکر کرلو، بے شک اللہ کی قسم تمہارے ساتھ ایک عظیم معاملہ پیش آ گیا ہے۔''

امانت ہی براہِ راست اس بات کا سبب بنی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کی رغبت کا اظہار کر دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملکِ شام میں ان کی تجارت کے نگراں تھے اور انہیں اپنے غلام میسرہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت اور بلند اخلاقی کے بارے میں ایسی باتیں معلوم ہوئیں کہ وہ دنگ رہ گئیں۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت کا ہی مظہر ہے کہ مشرکینِ قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب وانکار کے باوجود اپنے مالوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی بطور امانت رکھتے اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو امین سمجھتے تھے۔ جب اللہ نے آپ ﷺ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا تو آپ ﷺ نے ان امانتوں کو ان کے مالکان کے حوالے کرنے کے لیے علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

سب سے عظیم و کامل ترین امانت جو آپ ﷺ نے اپنے دوشِ ناتواں پر اٹھا رکھی تھی اور اسے لوگوں تک کامل اور بہتر طریقے سے پہنچایا بھی، وہ وحی و رسالت کی امانت تھی جسے لوگوں تک پہنچانے کا اللہ نے آپ ﷺ کو مکلّف بنایا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پیغامِ رسالت کو اچھے طور پر پہنچایا اور امانت کو بہتر طور سے ادا کیا اور اللہ کے دشمنوں سے دلیل و برہان اور سیف وسنان کے ذریعے جہاد کیا، بالآخر اللہ نے آپ ﷺ کو فتوحات سے نوازا اور آپ ﷺ کی دعوت کے لیے مومنوں کے دل کھول دیئے چنانچہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کی مدد و نصرت فرمائی یہاں تک کہ توحید کا کلمہ بلند ہوگیا اور مشرق و مغرب میں اسلام پھیل گیا اور کوئی مٹی یا اون کا گھر (کوئی دیہات اور شہر) باقی نہ رہا جہاں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو داخل نہ کر دیا ہو۔ اللہ کا درود و سلام ہو اس کے صادق و امین بندے پر جس نے اللہ کی راہ میں بھرپور جہاد کیا یہاں تک کہ وفات پا گئے۔

آٹھویں مجلس

عہد و پیمان اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دینے کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾[1]

''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''اللہ نے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، تمام سے یہ عہد لیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے مبعوث کیا اور وہ زندہ ہوئے تو تمام لوگ ان پر ایمان

[1] سورۃ آل عمران: [۸۱-۸۲]

لائیں گے اور ان کی مدد و نصرت کریں گے اور یہی عہد ان کی امتوں سے بھی لینے کا حکم دیا کہ جب وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجے گا اور وہ اس وقت زندہ ہوں گے تو اس پر ضرور ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے۔"[1]

اور اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾﴾[2]

"اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے، یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔"

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کی اہلِ مکہ کیلئے دعا کی تکمیل کے بارے میں خبر دے رہا ہے: "کہ اے اللہ! ان کے اندر انہی میں سے (یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے) ایک رسول مبعوث فرما اور یہ دعاء مستجاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرب اَن پڑھوں اور تمام عجم انس و جن کے لیئے رسول ہونے میں اللہ کی سابق تقدیر کے موافق ٹھہری۔"

جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"بے شک میں اللہ کے نزدیک اسی وقت خاتم النبین تھا جب آدم علیہ السلام

---

[1] تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ: [۱/ ۴۹۳]

[2] سورۃ البقرۃ: [۱۲۹]

مٹی ہی میں تھے اور میں اسکا تمہیں آغاز بتاتا ہوں کہ:

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کے خواب کا نتیجہ ہوں اور اسی طرح نبیوں کی مائیں خواب دیکھتی ہیں۔'' [1]

اور ہر عہد کے تمام لوگوں میں آپ ﷺ کا ذکر باقی و مشہور رہا، یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے نسب کے اعتبار سے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کے نام کو بنی اسرائیل کے لوگوں کے سامنے ایک خطبہ کے دوران ظاہر کرتے ہوئے فرمایا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ان کا ارشاد منقول ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ [2]

''اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے (میری قوم)، بنی اسرائیل! میں تمہارے لیئے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھ سے پہلے جو توراۃ آچکی ہے اسکی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے۔''

اسی لیئے اس حدیث میں کہا کہ:

''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

---

[1] صحیح ابن حبان: [۶۴۰۴]، دلائل النبوۃ للبیہقی: [۱/ ۸۰] وصححہ الالبانی فی السلسلۃ الصعیفۃ بدون الفقرہ الاخیرۃ: [۱۵۴۶، ۲۰۸۵] وحسنہ ابن تیمیہ فی الرد علی الکبری: [۶۱] والذھبی فی تاریخ الاسلام: [۱/ ۴۲]

[2] سورۃ الصّف: [۶]

وخوشخبری کا نتیجہ ہوں۔''[1]

جہاں تک آپ ﷺ کے گزشتہ کتابوں میں فضائل ومناقب کے ذکر کا تعلق ہے تو اس پر اللہ کا یہ ارشاد دلالت کناں ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُہُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہٰہُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَنَصَرُوۡہُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ ﴾[2]

''جو لوگ ایسے رسول نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔''

اور عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے تورات میں نبی ﷺ کے اوصاف کے سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

''ہاں اللہ کی قسم! بے شک وہ تورات میں انہی صفتوں سے متصف ہیں

---

[1] تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ [۱/ ۲۴۳] نیز دیکھیں حاشیہ حدیث سابق

[2] سورۃ الاعراف: [۱۵۷]

جن سے قرآن میں متصف ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ ﴾

''اے نبیؐ! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔[1] اور اَن پڑھوں کی پناہ گاہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام متوکل رکھا ہے، آپ نہ تو سخت گیر اور نہ ہی ترش رو ہیں، نہ ہی بازاروں میں شور شرابہ کرنے والے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ عفو و مغفرت سے دینے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک موت نہیں دیگا جب تک آپ کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دیگا، یہاں تک کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ (نہیں ہے کوئی معبودِ برحق مگر اللہ) کہنے لگ جائیں اور اس کے ذریعے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیگا۔''[2]

اور امام بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

جارود بن عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کیا اور کہا:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو انجیل میں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری کنواری کے بیٹے یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔''[3]

اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام نے

---

[1] سورۃ الاحزاب: [۴۵]

[2] اسے بخاری: [۲۱۲۵، ۴۸۳۸] نے روایت کیا۔ صحیح الادب المفرد للبخاری والالبانی: [۱۸۵]

[3] دلائل النبوۃ للبیہقی: [۲/ ۱۰۵] تخریج الکشاف للزیلعی: [۳/ ۲۲۸] وقال: اسنادہ صالح۔

انہی کی بشارت دی ہے اور اگر مجھے بادشاہت کے امور درپیش نہ ہوتے اور لوگوں کی ذمہ داری میرے سر پر نہ ہوتی تو میں آپ ﷺ کے پاس آکر آپ ﷺ کی کفش برداری کرتا (جوتیوں کو اٹھاتا)۔'' [1]

[1] رواہ ابوداؤد: [۳۲۵۰]، مستدرک حاکم: [۳/ ۳۳]، وصححہ الالبانی فی احکام الجنائز: [۱۱۷]

نویں مجلس

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ... ①

دشمنوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت ومہربانی:

یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری بشریت کے لیئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ خود اللہ رب العالمین نے صفتِ رحمت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیا ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ﴾ [1]

''اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے''۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''بے شک میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' [2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت عام تھی جو مسلمان وکافر سب کو شامل تھی۔

چنانچہ طفیل بن عَمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے دوس کے لوگوں کی ہدایت سے مایوس ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر کہتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!:

''بے شک دوس نے انکار ونافرمانی کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر بددعا کردیجیئے۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھادیئے اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب دوس کی

---

[1] سورۃ الانبیاء: [۱۰۷]

[2] رواہ مسلم: [۲۵۹۹] صحیح الادب المفرد: [۲۴۴]

ہلاکت یقینی ہے لیکن قربان جایئے نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! دوس قبیلہ کو ہدایت دے اور انہیں (میرے پاس) لے آ۔'' [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیئے دعا کی نہ کہ عذاب و ہلاکت کی بددعاء کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لیئے صرف بھلائی ہی کے خواہاں اور ان کی نجات و کامیابی ہی کے خواہش مند تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیئے وہاں تشریف لے جاتے ہیں تو وہاں کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت ہی تمسخر اور استہزاء وانکار سے استقبال کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے وہاں کے اوباشوں و بیوقوفوں کو لگا دیتے ہیں جو سنگباری کرتے ہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایڑیوں سے خون جاری ہو جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حادثہ کو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا بیان یوں کرتی ہیں کہ:

''میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ پر (غزوۂ) اُحد کے دن سے بھی زیادہ سنگین کوئی دن آیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تمہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا ہوا، ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں گھاٹی کے دن دوچار ہوا جب میں نے اپنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبد یالَیل بن عبد کُلَال کے بیٹے پر پیش کیا مگر اس نے میری دعوت کو ٹھکرا دیا تو میں غمزدہ ہو کر واپس لوٹنے لگا اور مجھے قرنِ ثعالب کے پاس ہوش آیا، وہاں میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے، انہوں

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۲۹۳۷، ۴۳۹۲، ۶۳۹۷]، مسلم: [۲۵۲۴]، ابن حبان: [۹۷۹]، صحیح الادب المفرد: [۴۷۷]

نے مجھے پکار کر کہا: ''آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ سے جو بات کہی ہے اللہ نے اسے سن لیا ہے اور آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ اسے جو چاہیں اپنی قوم کے بارے میں حکم دیں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''مجھے پہاڑ کے فرشتہ نے پکارا اور کہا اے محمد ﷺ! بے شک اللہ نے آپ ﷺ کی قوم کی باتوں اور ان کے ردعمل کو سن لیا ہے اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے اللہ نے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ اپنی قوم کے بارے میں جو چاہیں حکم صادر فرمائیں؟ اگر آپ ﷺ چاہیں تو ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ ان کو پیس کر رکھ دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ مجھے اللہ سے امید ہے کہ ان کی نسل سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔'' [1]

یہ نبوی رحمت وشفقت تھی جس نے آپ ﷺ کو اپنے بہتے زخم اور شکستہ وغمزدہ دل کو بھلا دیا اور آپ ﷺ کو صرف اپنی قوم کو بھلائی پہنچانا اور ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی روشنی اور صراطِ مستقیم پر گامزن کرنا ہی یاد رہا۔

ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ جب آپ ﷺ مکہ میں دس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ان سبھی کی گردنوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار وقوت دیتا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو ستایا اور شہر سے نکالا تھا۔ آپ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش کی تھی، آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے شہر سے نکال دیا تھا، آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا تھا اور دین کے اختیار کرنے پر انہیں مختلف فتنوں

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۲۳۱]، مسلم: [۱۷۹۵]، ابن حبان: [۶۵۶۱]، ابن خزیمہ: [۱/۱۱۱]، المعجم الاوسط للطبرانی: [۸/۳۷۰]

(آزمائشوں) سے دوچار کیا تھا۔

انہیں میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ اس فتحِ عظیم کے حصول کے موقع پر کہتے ہیں:

''آج مار دھاڑ اور خونریزی کا دن ہے۔''

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر فرماتے ہیں:

''(نہیں) بلکہ آج رحمت ومہربانی کا دن ہے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان شکستہ خوردوں کے مابین آتے ہیں اس حال میں کہ وہ ٹکٹکی لگائے ہوئے تھے۔ ان کے دل خوفزدہ تھے، اور ان کے گلے سوکھے ہوئے تھے، وہ اس بات کے منتظر تھے کہ ان کے ساتھ یہ فاتح وغالب قائد کیا کرنے والا ہے؟ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ یہی لوگ غداری وخیانت کے خوگر اور بدلے کے عادی تھے اور مسلمان مقتولین کے ساتھ اُحد وغیرہ کے معرکوں میں مُثلہ گری کا شرمناک عمل انجام دے چکے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے ہیں:

''قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: ''خیر (بھلائی) کا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیک (کرم فرما) بھائی ہیں اور نیک ومہربان (کرم نواز) بھائی کے لڑکے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''[1]

اس پر وہ وہاں سے چل پڑے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ قبر سے نکل کھڑے ہوں۔

تو یہ عفو عام اس رحمت ہی کا نتیجہ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہاں خانہ دل میں راسخ تھی جو اتنی عظیم تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو سب سے زیادہ ایذا پہنچانے والے

---

[1] یہ بہت معروف روایت ہے جبکہ اسکی سند کو ضعیف ومعضل قرار دیا گیا ہے۔ [دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی: [۱۱۶۳]، فقہ السیرۃ للشیخ محمد غزالی تخریج علامہ البانی: [۳۸۲]، ودفاع عن الحدیث للالبانی: [۳۲]

دشمنوں کو بھی شامل ہوگئی اگر یہ رحمت نہ ہوتی تو اس عفو کا ظہور نہ ہوتا اور سچ کہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت فرمایا کہ:

''بے شک میں سراپا رحمت ہوں جو اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے ہدیہ ہے۔''[1]

[1] رواہ الحاکم وصححہ الالبانی فی غایۃ المرام: [۱]، والسلسلۃ الصحیحۃ: [۴۹۰]

دسویں مجلس

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم... ②

جانوروں اور جمادات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت:

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ رحمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی وسیع تھی کہ کافروں کو بھی شامل تھی چہ جائیکہ موحد مسلمان کو، اور یہاں ہم اس بات کا اضافہ کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت وشفقت انسان سے تجاوز کر کے جمادات وجانوروں تک پہنچی ہوئی تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''ایک آدمی کسی راستے سے گزر رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگ گئی، اس نے ایک کنواں پایا، اس میں داخل ہوا اور سیراب ہوا۔ ابھی اس میں سے نکلا ہی تھا کہ ایک کتے کو ہانپتے ہوئے پایا جو شدتِ پیاس سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا اس آدمی نے کہا: یقیناً اسے بھی میری ہی طرح پیاس لگی ہوئی ہے۔ پھر وہ کنویں میں داخل ہوا اور موزے کو پانی سے بھرا اور منہ سے اسے پکڑ کر چڑھا اور کتے کو سیراب کیا تو اللہ نے اسے اس کا اچھا بدلہ دیا اور اس کو بخش دیا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہمارے لیے ان چوپایوں کے ساتھ ہمدردی میں بھی ثواب ہے۔؟

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہر تر وتازہ (زندہ) کلیجے والے میں ثواب ہے۔'' [1]

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۲۴۶۶، ۶۰۰۹]، مسلم: [۲۲۴۴]، صحیح ابی داؤد: [۲۵۵۰]، صحیح الادب المفرد: [۲۹۱]، ابن حبان: [۵۴۴]، کتاب الآداب بیہقی: [۸۱]

اس عام قاعدہ ''ہر تر و تازہ (زندہ) کلیجے والے میں ثواب ہے'' کے ذریعے آپ ﷺ ان تمام تنظیموں اور جماعتوں پر سبقت رکھتے ہیں جو حقوقِ حیوان کے دفاع اور ان کے ساتھ مہربانی کا اہتمام کرتی ہیں۔ آپ ﷺ ان پر سینکڑوں سال سبقت رکھتے ہیں جس وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''ایک عورت کو بلی کے سلسلہ میں عذاب دیا گیا اس نے اسے قید کر دیا یہاں تک کہ اس کی موت ہوگئی تو وہ عورت اس کی وجہ سے جہنم میں ڈال دی گئی۔ جب اس نے اس کو قید کر دیا تو نہ ہی اسے کچھ کھلایا و پلایا، نہ ہی اسے چھوڑا تا کہ زمین کے کیڑے مکوڑوں کو کھا کر پیٹ بھر سکے۔'' [1]

نبیِ ﷺ اس سے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حیوانوں کے ساتھ رفق و مہربانی اور احسان کی تعلیم دینا چاہتے ہیں اور یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایسے جانور کا قتل کرنا یا اس کے قتل کا سبب بننا جس کے قتل کی شرعاً اجازت نہیں ہے ممکن ہے کہ جہنم میں داخلے کا سبب بن جائے۔ (اللہ کی پناہ!) جبکہ واقعہ یہ ہے کہ خود ساختہ قوانین جن کے ذریعے موجودہ دور میں لوگ حکم و فیصلہ کرتے ہیں اس امر سے نابلد ہیں۔

نیز نبیِ ﷺ نے بلا مقصد جانوروں کے قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص کسی بھی چڑیا یا اس سے بڑے پرندے کو ناحق مارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال کریگا، کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا حق یہ ہے کہ اسے ذبح کر کے اس کو کھالے، اس کے سر کو کاٹ کر اسے پھینک نہ

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۳۸۲، ۲۳۶۵]، مسلم: [۲۲۴۲]، ابن حبان: [۵۴۶]، صحیح الادب المفرد: [۲۹۲]، مسند احمد: [۱۱/۳۹]، وصححہ احمد شاکر

دے۔'' [1]

آپ ﷺ نے تو جانور کو ذبح کرتے وقت بھی احسان و بھلائی کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک اللہ رب العزت نے ہر چیز کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری کو تیز کر لو تا کہ ذبیحہ کو آرام پہنچا سکو۔'' [2]

ایک عالم نے ذکر کیا ہے کہ جب بعض اہلِ مغرب کو ذبح سے متعلق اسلامی آداب کا علم ہوا تو حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

اور یہ چیز دینِ اسلام کے ہر پہلو سے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃُ۔

آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

''کسی جان والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔'' [3]

یعنی زندہ جانور کو اپنے تیروں کا نشانہ نہ بناؤ (اس کو ہدف بنا کر تیر اندازی کی مشق نہ کرو) کیونکہ یہ اس رحمت کے منافی ہے جس سے مومن کو متصف ہونا چاہیے۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ جانوروں سے بھی ظلم وقہر کو مٹاتے اور ختم کرتے تھے اور اس کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک انصاری شخص کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ کو پایا جو نبیِ ﷺ کو دیکھ کر آواز نکالنے (بلبلانے) لگا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اس کے پاس آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا پھر آپ

[1] رواہ النسائی، صحیح الترغیب والترھیب للمنذری وللالبانی: [۱۰۹۲]، المحلّی لابن حزم: [۷/ ۲۹۵]

[2] رواہ مسلم: [۱۹۵۵] وصحیح ابن حبان: [۵۸۸۳]، صحیح ابوداود: [۲۸۱۵]، صحیح الترمذی: [۱۴۰۹]، صحیح ابن ماجہ: [۲۵۸۵]، صحیح النسائی: [۴۴۲۵]

[3] متفق علیہ۔ مسلم: [۱۹۵۷]، صحیح نسائی: [۴۴۵۵]، صحیح ابن ماجہ: [۲۵۹۷]، ابن حبان: [۵۶۰۸]، مسند احمد: [۴/ ۱۸۳]

ﷺ نے فرمایا:

''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا مالک میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم ان چوپایوں کے بارے میں جس کو اللہ نے تمہاری ملکیت میں دے رکھا ہے اللہ سے نہیں ڈرتے؟ کیونکہ اس نے مجھ سے یہ شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور برابر کام کروا کے اسے تھکاتے ہو۔'' [1]

حتیٰ کہ جمادات کو بھی رحمتِ محمدی ﷺ حاصل تھی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے

''جب نبی ﷺ کے لیئے منبر بنایا گیا تو وہ کھجور کا تنا جس پر ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، بچے کی طرح رونے لگا، آپ ﷺ منبر سے اترے اور اس کو اپنے سے چمٹا لیا اب وہ اس بچے کی طرح کراہنے (سسکنے) لگا جس کو خاموش کرایا جائے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جو کچھ ذکر (پند و نصیحت) سنا کرتا تھا اس (کے فقدان) پر رونے لگا۔''

حسن رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، جب اس حدیث کو بیان کرتے رونے لگتے اور کہتے:

''اے مسلمانوں کی جماعت! جب لکڑی آپ ﷺ سے ملاقات کی مشتاق ہے تو تم سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہو کہ تمہارے اندر آپ ﷺ کا اشتیاق پیدا ہو۔'' [2]

---

[1] ابوداود: [۲۵۴۹] نے روایت کیا اور مسند احمد: [۱۸۹/۳] علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دیکھیئے: صحیح ابوداوٗد: [۲۵۴۹]، صحیح الترغیب: [۲۲۶۹]، السلسلۃ الصحیحۃ: [۲۰]

[2] بخاری: [۲۰۹۵، ۳۵۸۴]، فتح الباری: [۶/ ۶۰۲]، دلائل النبوۃ للبیہقی: [۲/ ۵۵۹]، ابن حبان: [۶۵۰۷]

گیارہویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل

معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل ومناقب بہت زیادہ ہیں اور انہی میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

[۱]... اللہ رب العالمین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکارمِ اخلاق اور بہترین صفات کے ساتھ تعریف کی ہے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ [۱]

''اور بیشک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میری بعثت تو اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیئے ہوئی ہے۔'' [۲]

[۲]... اللہ رب العالمین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت اور تمام لوگوں کے ساتھ رحمت ومہربانی کرنے کی تعریف فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [۳]

''اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔''

اور اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ [۴]

---

[۱] سورۃ القلم: [۴]

[۲] رواہ الطبرانی۔ مسند احمد: [۷/ ۸۰] وصححہ احمد شاکر وکذا لک الالبانی فی صحیح الجامع: [۲۸۳۳]، وصحیح الادب المفرد: [۲۰۷]، السلسلۃ الصحیحہ: [۴۵]

[۳] سورۃ الانبیاء: [۱۰۷]

[۴] سورۃ الاحزاب: [۴۳]

”اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔“

اور اللہ کا قول:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [1]

”اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ ترش زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

”میں سراپا رحمت ہوں جو اللہ کی طرف سے دنیا والوں کے لیۓ ہدیہ ہے۔“ [2]

[۳]... یومِ ولادت سے ہی ربِ کریم کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت ونگرانی کی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد میں ہے:

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝﴾ [3]

”کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی اور تجھے نادار پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟۔“

[۴]... اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ کو کھول دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو بلند کر دینا جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد میں ہے:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝﴾

---

[1] سورۃ آل عمران: [۱۵۹]

[2] حاکم اور بیہقی: [۱/ ۱۵۷۔ دلائل النبوۃ] نے روایت کی ہے اور البانی نے اسکی السلسلۃ الصحیحہ: [۴۹۰] وصحیح الجامع: [۲۳۴۵] میں تصحیح فرمائی ہے۔

[3] سورۃ والضحیٰ: [۶۔۸]

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ﴿۴﴾﴾ [1]

''کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔''

[۵]... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد میں مذکور ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾ [2]

''(لوگو) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد نہیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

'' میری اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی مثال اس آدمی کی مانند ہے جس نے ایک گھر بنایا تو اسے اچھا اور کامل بنایا مگر ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ کو باقی رکھ دیا، لوگ اس گھر کا چکر لگانے لگے اور اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے اور کہتے کہ: '' کاش اس اینٹ کو بھی رکھ دیا جاتا تو عمارت پورے طور پر مکمل ہو جاتی؟ تو وہ اینٹ میں ہی ہوں۔'' [3]

[۶]... دیگر انبیاء علیہم السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

'' مجھے دیگر نبیوں پر چھ چیزوں کے ذریعے برتری دی گئی ہے: '' مجھے جوامع الکلم (کم الفاظ میں بہت زیادہ معنی خیز اور ہمہ گیر بات کہنے کی

---

[1] سورۃ الشرح: [۱۔۴]

[2] سورۃ الاحزاب: [۴۰]

[3] متفق علیہ۔ مسلم: [۲۲۸۶]، ابن حبان: [۶۴۰۷]، ترمذی و مسند احمد، صحیح الجامع: [۵۷۴۳]

صلاحیت) دیئے گئے ہیں، اور رعب و دبدبہ کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے، میرے لئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے، اور میرے لئے ساری زمین کو پاک اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے، اور میری بعثت تمام مخلوق کے لئے ہوئی ہے، اور مجھ پر ہی نبوت و رسالت ختم کر دی گئی ہے۔'' [1]

[۷]... آپ ﷺ کا ساری مخلوقات میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار اور معزز ترین ہونا:

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، بے شک اللہ رب العالمین نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے سب سے بہتر بنایا، پھر انہیں دو ٹولیوں میں تقسیم کر دیا اور مجھے ان میں سے بہترین ٹولی میں بنایا، پھر ان کے قبائل بنائے تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا، پھر ان کے گھرانے بنائے تو مجھے ان میں سے سب سے بہتر گھرانے میں پیدا کیا۔ میں گھرانے کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں اور نفس کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔'' [2]

[۸]... آپ ﷺ کا روزِ قیامت حوضِ کوثر کا مالک ہونا اور شفاعت کرنا:

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں سب سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچ کر تم لوگوں کا منتظر ہوں گا تا کہ تم میں سے کچھ آدمیوں کو پیش کیا جائے یہاں تک کہ میں انہیں پہچان لونگا تو انہیں

---

[1] رواہ مسلم: [۵۲۳] صحیح الترمذی: [۱۵۵۳]، ابن حبان: [۶۴۰۱]

[2] احمد: [۳/ ۲۲۴] وصححہ احمد شاکر اور ابوداؤد [ترمذی: ۳۵۳۲] نے روایت کی ہے اور البانی نے [صحیح الجامع: ۱۴۷۲ میں] اسکی تصحیح فرمائی ہے۔

مجھ سے روک دیا جائیگا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں تو کہا جائیگا کہ: ''آپ ﷺ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ ﷺ کے بعد دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں۔''[1]

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک ہر نبی کی کوئی نہ کوئی دعا ہے جس کے ذریعے انہوں نے دعا کی اور ان کی دعا قبول کی گئی لیکن میں نے اپنی دعا کو روزِ قیامت امتیوں کی شفاعت کے لئے بچا کر رکھا ہے۔''[2]

[9]... روزِ قیامت آپ ﷺ کا تمام لوگوں کا سردار ہونا:

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میں قیامت کے دن آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا اور اسمیں کوئی فخر نہیں، اور میرے ہاتھ میں حمد وتعریف کا جھنڈا ہوگا اور اس میں کوئی فخر نہیں، اور آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام ہیں، سب کے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں سب سے پہلا سفارشی ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول کی جائیگی اور اس میں کوئی فخر نہیں۔''[3]

[10]... آپ ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے:

جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''سب سے پہلے میں جنت کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤں تو خازن (داروغہ) کہے گا:

---

[1] رواہ البخاری: [٦٥٢٥]، مسلم: [٢٢٩٥]، صحیح الترمذی: [٣١٦٧]، صحیح النسائی: [٢٠٨٦]، مسند احمد: [٦/ ١٠٤]، مسند البزار: [١١/ ٢٧٨]، ابن حبان: [٧٣٤٧]

[2] متفق علیہ۔ مسلم: [١٩٩]، صحیح ابن خزیمہ: [٢/ ٦٣٤]، ابن حبان: [٦٤٦٠]

[3] رواہ مسلم، صحیح الترمذی: [٣١٤٨]، صحیح ابن ماجہ: [٣٤٩٦]، مسند البزار: [١٣/ ٧١] المسمی بالبحر الزخار

''تم کون ہو؟ تو میں کہوں گا: ''میں محمد ﷺ ہوں تو وہ کہے گا: ''میں اٹھ کر تمہارے لیئے (دروازہ) کھولتا ہوں۔ آپ ﷺ سے پہلے میں کسی کے لیئے نہیں کھڑا ہوا ہوں اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیئے کھڑا ہونگا۔''[1]

[11]... آپ ﷺ ہر اُس انسان کے لیئے بہترین قدوہ ونمونہ ہیں جو اللہ اور جنت کی کامیابی اور جہنم سے نجات کا متمنی ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾﴾[2]

''یقیناً تمہارے لیئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔''

[12]... آپ ﷺ خواہشِ نفس سے کوئی بات کہنے سے منزّہ ومبرّا ہیں بلکہ آپ ﷺ کی دین وشریعت سے متعلق گفتگو وحی ہوا کرتی ہے جس میں باطل کا گذر نہیں ہوسکتا جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾﴾[3]

''اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔''

---

[1] رواہ مسلم، مسند البزار: [۱۴/ ۵۱]، ابن حبان: [۶۴۸۱]، صحیح الجامع: [۱۴۵۰]

[2] سورۃ الاحزاب: [۲۱]

[3] سورۃ النجم: [۳]

بارہویں مجلس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ورضاعت اور من جانب اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن ماہِ ربیع الاول کی دو تاریخ یا آٹھ یا دس یا بارہ تاریخ کو پیدا ہوئے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام الفیل (ہاتھی والے سال) میں پیدا ہوئے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابراہیم بن منذر اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ نے اس پر اجماع بیان کیا ہے۔''

سیرت نگار علماء کا کہنا ہے کہ:

''جب آمنہ حمل سے ہوئیں تو کہا: مجھے کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ایسی روشنی نکلی جس نے مشرق ومغرب کو روشن کردیا۔''

اور ابن عساکر اور ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا تو ان سے کہا گیا کہ اے ابوالحارث! کس چیز کی وجہ سے آپ نے ان کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا ہے اور باپ دادا کے نام پر نہیں رکھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ''میں نے چاہا کہ آسمان میں رب کی طرف سے اس کی تعریف ہو اور دنیا میں لوگوں کی طرف

سے بھی اس کی مدح سرائی کی جائے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی وفات:

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا انتقال ہو گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے ایک ماہ کے بعد وفات ہوئی لیکن مشہور پہلا ہی قول ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت:

سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابولہب کی لونڈی ثویبہ [1] نے کچھ دن دودھ پلایا تو ابولہب نے اس بچے کی ولادت پر خوش ہو کر اسے آزاد کر دیا، پھر بنو سعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت ہوئی اور حلیمہ سعدیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا اور انہیں کے پاس بنو سعد میں تقریباً پانچ سال تک پرورش پاتے رہے پھر وہیں پر واقعہ شقِ صدر پیش آیا، وہ اسطرح کہ فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو نکالا اور اسے دھویا اور اس میں سے شیطانی حصہ کو نکال پھینکا۔ پھر اللہ نے اس میں نور و حکمت اور رحمت و شفقت بھر دی، پھر دوبارہ اسے اس کی جگہ لوٹا دیا گیا۔

حلیمہ سعدیہ نے اس عظیم حادثہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اندیشہ محسوس کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں کے پاس لوٹا دیا اور پورا قصہ سنایا لیکن آمنہ کو اس سے کوئی خوف نہیں ہوا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ: یہ واقعہ تطہیر و تقدیس دو مرتبہ پیش آیا۔

پہلی بار: بچپن میں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل شیطانی وساوس و کچوکے سے پاک ہو جائے۔

دوسری بار: جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مقدس حضور (دربار) میں پیش کرنے کا ارادہ کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانی فرشتوں کی امامت کرائیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] یہ نام تو ثویبہ ہے لیکن آجکل لوگوں نے اسے الٹا کر اپنی بچیوں کا نام توبیہ رکھنا شروع کر دیا ہے۔ [ابوعدنان]

ظاہر و باطن کی تقدیس و تطہیر کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ایمان و حکمت بھر دی گئی۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کی وفات:

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ سال کے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا کے ننھیال عدی بن النجار کے ہاں تشریف لے گئیں۔ ان کے ہمراہ امِ ایمن بھی تھیں، وہاں پر کچھ دن قیام کیا پھر مکہ واپس ہوتے ہوئے راستے میں مقامِ ابواء کے پاس والدہ کا انتقال ہو گیا۔

فتح مکہ کے سال مکہ جاتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مقامِ ابواء سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے ماں کی قبر کی زیارت کے بارے میں اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے اجازت دیدی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو پڑے اور اپنے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رلا دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔'' [2]

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ وفات پا گئیں تو امِ ایمن نے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیز تھیں، باپ سے ورثہ میں ملی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ سال کے ہوئے تو دادا کا انتقال ہو گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کے لیئے وصیت کر گئے، تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کی اور اچھی طرح سے نگرانی و دیکھ بھال فرمائی۔ اور جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح سے مکمل مدد و نصرت کی باوجود یکہ وہ مرتے دم تک اپنے شرک ہی پر باقی رہے۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید و نصرت کرنے کی وجہ سے ان کے

[1] الروض الانف للسھیلی

[2] رواہ مسلم: [۹۷۶]، صحیح ابوداؤد: [۳۲۳۴]، صحیح ترمذی: [۱۰۵۴]، صحیح نسائی: [۴۴۴۲]، صحیح ابن ماجہ: [۱۲۸۵]، مسند البزار: [۱۳/ ۵۱۸]

عذاب میں تخفیف فرمائی جیسا کہ صحیح حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ [1]

جاہلیت کی گندگیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت:

اللہ رب العالمین نے بچپن ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور جاہلیت کی گندگیوں سے پاک وصاف رکھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بتوں سے نفرت پیدا کردی۔ پس کسی بھی بت کی نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کی نہ ہی اسکی تعظیم کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شراب نوشی نہ کی، نہ ہی قریشی نوجوانوں کے فسق وفجور میں شرکت فرمائی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کی برائیوں سے پاک تھے۔ اور ہر طرح کے شریفانہ اخلاق ونیک اوصاف کے حامل تھے، یہاں تک کہ اپنی قوم کے مابین امین کے لقب سے معروف ومشہور تھے، کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزگی وسچائی کا مشاہدہ کر رکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں سے راضی تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔ اور اسکی واضح مثال حجرِ اسود کو اس کی اصلی جگہ پر رکھنے کے وقت ظاہر ہوئی جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک کپڑے کے وسط میں حجرِ اسود کو رکھنے کا حکم دیا اور ہر قبیلہ کو اس کے چاروں کونوں کو پکڑنے کا حکم دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا۔ تو اس سے ان کے دلوں کو سکون ملا، اور اس طرح سے اس فتنہ کی آگ بجھ گئی جس سے قبائل کے درمیان جنگ چھڑنے کا ڈر تھا۔ [2]

---

[1] مسند احمد: [۴/ ۲۲۲]، وصححہ احمد شاکر۔

[2] تنصیب حجرِ اسود کے واقعہ کی تفصیلات کے لئے دیکھیے: الفتح الربانی ترتیب وشرح مسند احمد: [۲۰/ ۱۹۸ تا ۲۰۱]، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: [۲/ ۳۰۳] ومابعد فقہ السیرۃ محمد الغزالی: [ص: ۸۳-۸۴]، رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصور پوری: [۱/ ۴۴ تا ۴۶] اور ہماری کتاب سیرۃ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم: [ص: ۲۴۵ تا ۲۵۰] (ابو عدنان)

تیرہویں مجلس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 25 سال کی عمر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور اس وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال کی تھیں۔ وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت کرنے کے لیئے انکے غلام میسرہ کے ساتھ ملکِ شام کی طرف روانہ ہوئے تو میسرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وامانت کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ گیا اور آ کر اپنی آقا خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سب کچھ بتایا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کی رغبت کا اظہار کر دیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین سال پہلے ہی وفات پا گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ پچیس برس تک رہے اور اس دوران کوئی دوسری شادی نہیں کی یہاں تک کہ وہ 65 برس کی عمر میں وفات پا گئیں اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریبا پچاس برس کے تھے۔ پھر ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بیویوں سے چند اہم مقاصد اور حکمتوں کے تحت شادیاں کیں۔ اس سے اعداء اسلام مستشرقین وغیرہ کے ان باطل شبہات اور اتہامات کی تکذیب ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہوت پرست تھے، عورتوں سے لطف اندوزی کے متلاشی تھے، کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی عورت جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں، ان کے ساتھ جوانی کے پچیس سال بتائے اور ان کے علاوہ کوئی دوسری شادی نہ کی یہاں تک کہ وہ وفات پا گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی کے ایام ختم ہو گئے اور شہوت کم ہو گئی۔ کیا شہوانی قوت اس لمبے عرصے تک بجھی ہوئی تھی پھر اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس برس کے ہونے کے بعد دوبارہ ظاہر ہو گئی؟ یہ بات تو کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا۔

اس قول کا خود بہت سارے مغرب کے علماء و مفکرین نے مذاق اڑایا جیسا کہ اٹلی کی ریسرچ اسکالر ڈاکٹر "فیشیا فاغلیری" کہتی ہے:

"بے شک محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] جوانی کی طویل مدت میں جس وقت شہوانی قوت عروج پر ہوتی ہے اور باوجود عرب جیسے معاشرے اور سماج میں زندگی گزارنے کے، جہاں شادی اسلام سے پہلے ایک اجتماعی تنظیم کے طور پر مفقود تھی یا اسکے قریب تھی اور جہاں پر تعدد زوجات ہی ایک دستور تھا اور طلاق انتہائی آسان تھی خدیجہ [رضی اللہ عنہا] کے علاوہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سال بڑی تھیں، دوسری شادی نہیں کی اور انہی کے ساتھ پچیس سال تک ایک سچے محب کی طرح زندگی کے ایام گزارے اور انکے رہتے کوئی دوسری شادی نہیں کی، یہاں تک کہ انکی وفات ہوگئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسوقت پچاس سال کے ہوگئے۔

بے شک ہر بیوی سے شادی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشِ نظر کوئی نہ کوئی سیاسی یا اجتماعی حکمت تھی اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی بیویوں سے شادی کے ذریعے ان تقویٰ پرست بیویوں کی تکریم وعزت افزائی چاہتے تھے یا اس کے ذریعے مختلف قبائل و خاندانوں کے ساتھ نسبی رشتہ کو استوار کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذریعے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت و تبلیغ کی نئی راہیں کھل جائیں۔ سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کنواری دوشیزہ سے شادی نہیں کی، تو کیا یہی شہوانیت تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انسان تھے نہ کہ معبود اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرینہ اولاد کی رغبت میں کئی بیویوں سے شادی کی ہو کیوں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو بھی نرینہ اولاد پیدا ہوئی تھی سب کا انتقال ہوگیا تھا۔

باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی خاص ذریعۂ آمدنی اور مال و ثروت نہیں تھی، پھر بھی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دوشِ ناتواں پر ایک بھاری بھر کم خاندانی بوجھ اٹھا رکھا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ انکے درمیان مساوات و برابری کو ملحوظ رکھا اور کبھی بھی ان کے حقوق میں تفاوت پیدا نہیں ہونے دیا۔

یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصرف سابقہ انبیاء موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کی طرح ہی تھا جن کے بارے میں کسی بھی شخص نے ان کی تعددِ زوجات کے بارے میں کبھی اعتراض نہیں کیا تو کیا اس کا یہی سبب ہے کہ ہم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی روزمرہ کی زندگی کی تفاصیل کو نہیں جانتے جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی کے متعلق ہر چیز جانتے ہیں؟۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سودۃ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، پھر عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے، ان کے علاوہ کسی اور کنواری سے شادی نہیں کی، پھر حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے پھر زینب بنت خزیمہ بن حارث رضی اللہ عنہا سے اور ام سلمہ ہند بنت امیہ رضی اللہ عنہا، زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور فتح خیبر کے بعد صفیہ بنت حُیّی بن اخطب رضی اللہ عنہا سے، پھر میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے جن سے سب سے آخر میں شادی کی۔

[1] قالوا عن الإسلام للدکتور عماد الدین خلیل: [۱۲۰: ۱۲۱] نقلا عن کتابھا "دفاع عن الاسلام"

چودہویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عورت... ①

اعداء اسلام کی طرف سے مسلسل یہ الزام دیا جارہا ہے کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ ظلم کیا ہے اور انہیں برابر حقوق نہیں دیئے، اور اسے مردوں کی خدمت اور لطف اندوزی کے سامان کے طور پر پیش کیا ہے۔

لیکن اس باطل کا پردہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منقول باتوں کے ذریعے چاک و بے نقاب ہوجاتا ہے جیسے عورتوں کی تکریم، ان کی شان کو بلند کرنا، اسی طرح ان سے مشاورت طلبی اور ان کے ساتھ رفق ومہربانی اور تمام مواقف میں انصاف کرنا اور انہیں ہر طرح کے حقوق عطا کرنا وغیرہ جس کا ایک عورت اسلام سے قبل تصور تک نہیں کرسکتی تھی۔

اہلِ عرب طبعی طور پر اسلام سے ماقبل لڑکیوں کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں عار کا باعث سمجھتے تھے حتیٰ کہ بعض جاہلی عرب لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے میں مشہور تھے جیسا کہ قرآنِ کریم نے اس کی یوں تصویر کشی کی ہے:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ ﴾[1]

''ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ

---

[1] سورۃ النحل: [۵۸۔۵۹]

ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے
چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ لیئے ہوئے ہی رہے
یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟۔"

زمانۂ جاہلیت میں جب عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو اس کے لڑکے اور رشتہ دار اس کے وارث بن جاتے۔ اگر وہ چاہتے تو ان میں سے کسی کے ساتھ اسکی شادی کرا دیتے یا شادی کرنے سے محروم کر دیتے، یہاں تک کہ اس کی موت ہو جاتی تھی۔ اسلام نے آ کر ان سارے غلط نظام کو باطل قرار دیا اور ایک ایسا منصفانہ معاشرتی نظام مقرر کیا جس سے عورتوں اور مردوں کو برابر حقوق مل سکیں، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انسانیت میں عورتوں کے مردوں کے برابر ہونے کے بارے میں خبر دی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"بے شک عورتیں مردوں کے مثل ہیں۔" [1]

اسلام میں مرد اور عورت کی جنس میں کوئی اختلاف وفرق نہیں ہے جیسا کہ اسلام کے دشمن اسکا تصور کرتے ہیں، بلکہ دونوں جنسوں کے درمیان بھائی چارگی اور تکامل پایا جاتا ہے، اور قرآنِ کریم نے بھی (مرد وعورت کے درمیان) ایمان وعمل اور جزاء کے معاملہ میں برابری کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ
وَالْقَٰنِتِينَ وَالْقَٰنِتَٰتِ وَالصَّٰدِقِينَ وَالصَّٰدِقَٰتِ وَالصَّٰبِرِينَ
وَالصَّٰبِرَٰتِ وَالْخَٰشِعِينَ وَالْخَٰشِعَٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَٰتِ
وَالصَّٰٓئِمِينَ وَالصَّٰٓئِمَٰتِ وَالْحَٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَٰفِظَٰتِ
وَالذَّٰكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّٰكِرَٰتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا

[1] اسے احمد، صحیح ابوداؤد: [۲۳۶] اور ترمذی: [۱۱۳] نے روایت کیا ہے۔ نیز دیکھیے: السلسلۃ الصحیحۃ: [۵/ ۲۱۹ ـ ۲/ ۸۶۱]، صحیح الجامع: [۲۳۳۳]، مسند بزار: [۱۳/ ۲۴]، البحر الزخار الفتح الربانی للبنا: [۱۰/ ۴۷۷۵]

عَظِيمًا ﴿٣٥﴾ [1]

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والی عورتیں ان (سب کے) لیئے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾ ﴾ [2]

''جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔''

اور آپ ﷺ نے اپنے بارے میں عورتوں سے محبت کرنے کی خود خبر دی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھے تمہاری دنیا سے عورت اور خوشبو کو محبوب کر دیا گیا ہے اور میری

---

[1] سورۃ الاحزاب: [۳۵]

[2] سورۃ غافر: [۴۰]

آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنادی گئی ہے۔“ [1]

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کو زندہ درگور کردینے اور دفن کرنے کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح نبیٔ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بری عادت کو باطل قرار دیا ہے اور لڑکیوں کی تربیت دینے اور ان کے ساتھ بھلائی واحسان کرنے کی رغبت دلائی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”جس نے دو بچیوں کی تربیت کی یہاں تک کہ بالغ ہوگئیں
تو روزِ قیامت وہ اس حال میں آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ہوں گے
اور آپ نے دونوں انگلیوں کو ملایا۔“ [2]

اس میں اس کے بلند مرتبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ مقام ورتبہ صرف اسے بلوغت ومکلّف کے مرحلے تک بیٹیوں کی تربیت ونگہبانی کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”جس کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں
ہوں اور اس نے ان کی اچھی طرح تربیت کی اور ان کے بارے میں اللہ سے
ڈرا تو اس کے لیئے جنت ہے۔“ [3]

یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی تعلیم کے بڑے حریص وخواہاں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم ووعظ کے لیئے ایک دن مقرر کر رکھا تھا جس میں وہ اکٹھی ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آکر، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ سکھایا تھا، اس کی انہیں تعلیم دیتے تھے۔ [4]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو گھروں میں ہی نہیں محبوس کر رکھا تھا جیسا کہ اعداء اسلام گمان

---

[1] رواہ احمد وصحیح النسائی: [۳۹۵۰] وصححہٗ الالبانی۔ سنن الکبریٰ بیہقی: [۷/۷۸]، زاد المعاد: [۱/۱۴۵] وصححہٗ

[2] رواہ مسلم: [۲۶۳۱]، صحیح الترمذی: [۱۹۱۴]، السلسلۃ الصحیحہ: [۳/۱۱۳]

[3] ابوداوٗد: [۵۱۴۸]، ترمذی: [۱۹۲۲]، صحیح الادب المفرد: [۵۹] نے روایت کی اور البانی نے اسکی تصحیح فرمائی ہے الصحیحہ: [۲۹۶]

[4] رواہ مسلم: [۲۶۳۳]

کرتے ہیں، بلکہ آپ ﷺ انھیں انکی ضروریات کی تکمیل رشتے داروں کی زیارت، مریضوں کی تیمارداری ,اور بازاروں میں شرعی حجاب کی پابند ہوکر خرید وفروخت کیلئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دیتے تھے۔اسی طرح آپ ﷺ نے انہیں مسجد جانے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے انہیں مسجد سے روکنے پر منع بھی کیا جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔'' [1]

اور عورتوں کے سلسلے میں وصیت بھی فرمائی جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''لوگو! عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی (میری) وصیت قبول کرو۔'' [2]

اور یہ ان کے ساتھ حسنِ معاشرت، ان کے حقوق کی پاسداری اور ان کے جذبات کی رعایت اور کسی بھی قسم کی انہیں تکلیف نہ پہنچانے کا متقاضی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری: [۹۰۰] ،صحیح مسلم: [۴۴۲] ،شرح السنہ بغوی: [۴/ ۱۹۹] ابن حبان: [۲۲۰۹] رواہ احمد وابوداؤد: [۵۶۵]

[2] متفق علیہ۔صحیح بخاری: [۳۳۳۱] ،صحیح مسلم: [۱۴۶۸] ،صحیح ابن حبان: [۲/ ۳۱۳] صحیح ابن ماجہ: [۱۵۱۳]

پندرہویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عورت...②

بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہروں کو اپنی بیویوں پر خرچ کرنے کی بہت رغبت دلائی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”تم اللہ کی رضا کی خاطر جو بھی چیز خرچ کرو گے اس پر ثواب دیئے جاؤ گے حتیٰ کہ تمہارا اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ہی ڈالنا کیوں نہ ہو“ [1]

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاندان (اہل وعیال) کے نفقہ کو سب سے بہترین نفقہ قرار دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

”سب سے بہتر دینار وہ دینار ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔“ [2]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

”آدمی جب اپنی بیوی کو پانی پلاتا ہے تو اس پر بھی اسے ثواب دیا جاتا ہے۔“ [3]

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فوراً پانی کی طرف دوڑے اور اپنی بیوی کو

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۵۶]، مسلم: [۱۶۲۸]، صحیح ابی داوٗد: [۲۸۶۴]، صحیح ترمذی: [۲۱۱۶]، ابن حبان: [۴۲۴۹]، مسند احمد: [۳ / ۷۳]، صحیح الادب المفرد: [۵۷۹]

[2] رواہ مسلم: [۹۹۴]، صحیح الادب المفرد: [۵۷۵]، صحیح ابن ماجہ: [۲۲۴۸]، ابن حبان: [۴۲۴۶]، صحیح ترمذی: [۱۹۶۶]

[3] احمد نے روایت کیا ہے اور علامہ البانی نے (صحیح الترغیب: [۱۹۶۳] میں) اسے حسن قرار دیا ہے

پلایا اور اسے نبی ﷺ کی مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔

اس طرح آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عورتوں کے ساتھ بہتریں معاشرت، ان کے ساتھ شفقت و مہربانی اور ہر طرح کی بھلائی کو پہنچانے اور ان کیلئے نان و نفقہ مہیّا کرنے کی تعلیم دی۔

اور آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ:

''عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت آدمی کی شرافتِ نفس اور نیک طبیعت پر دلالت کرتی ہے۔''

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہے۔'' [1]

اور آپ ﷺ نے آدمی کو اپنی بیوی سے نفرت و بغض رکھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''کوئی مومن کسی مومنہ سے نفرت و بغض نہ رکھے، اگر اسے اس کی کوئی خصلت ناپسند ہو تو اس کی کوئی دوسری خصلت اسے راضی کر دیگی۔'' [2]

اسی طرح سے نبی ﷺ مردوں کو عورتوں کے سلسلے میں ایجابیات (مثبت پہلوؤں) اور بہترین عادات و اطوار کو تلاش کرنے اور سلبیات (منفی پہلوؤں) اور لغزشوں پر پردہ داری کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، اور یہ اس لیئے کہ سلبیات و منفی پہلوؤں کی کھوج لگانا اور اسی پر کافی وقت صرف کرنا زوجین [میاں بیوی] کے درمیان نفرت و جدائی کا سبب بن جاتے ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ نے عورتوں کو مارنے سے بھی منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا

---

[1] احمد و صحیح ترمذی: [۳۸۹۵] نے اسے روایت کیا ہے، صحیح ابن ماجہ: [۱۶۲۱، ۱۶۲۲]، مسند بزار: [۱۱/ ۳۶۹]، ابن حبان: [۴۱۷۷، ۶۴۸]، السلسلۃ الصحیحہ: [۲۸۵، ۲۴۸، ۱۱۷۴]

[2] رواہ مسلم: [۱۴۶۹]

فرمان ہے:

”اللہ کی لونڈیوں کو نہ مارو۔“[1]

اور ان لوگوں کو جو عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں، دھمکی و وعید سنائی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”اے اللہ! میں ان دو کمزور صنفوں یتیم اور عورت کے حق کو قابلِ حرج اور گناہ کا باعث قرار دیتا ہوں۔“[2]

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے ان دو صنفوں پر ناحق ظلم و ستم کیا یا انہیں ستایا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا بلکہ وہ دنیا و آخرت میں تنگی و سزا کا مستحق ہوگا۔

نیز آپ ﷺ نے مردوں کو بیویوں کے راز افشا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح بیویوں کو اپنے شوہروں کے راز کو افشا کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”بے شک اللہ کے نزدیک بروزِ قیامت سب سے برے مقام و مرتبہ والا وہ آدمی ہے جو اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس کی بیوی اس کے پاس آئے (یعنی ہمبستری کریں) پھر وہ اس کے راز کو افشا کردے۔“[3]

عورتوں کی عزت و تکریم میں سے ہی یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے شوہروں کو اپنی بیویوں کے سلسلے میں بدگمانی کرنے اور ان کی لغزشیں تلاش کرنے سے روکا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

”آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی کے پاس رات کو چپکے سے آدھمکے تاکہ اسکی لغزشوں اور غلطیوں کو تلاش کر سکے۔“[4]

---

[1] صحیح ابوداؤد: [۲۱۴۶]، ابن حبان: [۴۱۸۹]، صحیح الجامع: [۷۳۶۰]

[2] رواہ احمد و صحیح ابن ماجہ: [۲۹۸۲]، المحلّٰی لابن حزم: [۸/ ۳۲۶]، صحیح الجامع: [۲۴۴۷]

[3] رواہ مسلم: [۱۴۳۷]، ابوداؤد: [۴۸۷۰]، السلسلۃ الصحیحہ: [۷/ ۳۷۷]

[4] متفق علیہ۔ بخاری: [۱۸۰۱]، صحیح مسلم: [۷۱۵]، ابن حبان: [۴۱۸۲]، المحلّٰی: [۱۰/ ۷۲]

رہی بات آپ ﷺ کا اپنی بیویوں کے ساتھ برتاؤ تو وہ نہایت ہی رقت آمیز اور لطف و مہربانی کا آئینہ دار تھا۔

اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ: ''آپ ﷺ اپنے اہل کے ساتھ کیا کرتے تھے؟'' تو انہوں نے فرمایا:

''آپ ﷺ اپنی بیویوں کے کاموں میں مشغول ہوتے یعنی ان کے کاموں میں مدد و تعاون کرتے اور جب نماز کا وقت حاضر ہوتا تو فوراً نماز کے لیے نکل جاتے۔'' [1]

آپ ﷺ اپنی بیویوں کی رضامندی کے خواہاں رہتے اور ان سے میٹھی و نرم اور شیریں کلمات کے ذریعے گفتگو کیا کرتے تھے۔

اور اسی قبیل سے آپ ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہنا بھی ہے:

''بے شک میں تمہاری ناراضگی اور خوشی کو پہچانتا ہوں''۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! '' آپ ﷺ اسے کیسے جان لیتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: ہاں! اور محمد ﷺ کے رب کی قسم، اور جب تم غصہ سے ہوتی ہو تو کہتی ہو: ''نہیں اور ابراہیم ﷺ کے رب کی قسم: '' تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! میں صرف آپ کے نام ہی کو چھوڑتی ہوں۔'' [2]

یعنی آپ ﷺ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہے جو بدل نہیں سکتی۔

نیز آپ ﷺ اپنی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان کی وفات کے بعد بھی نہیں بھولے، جیسا کہ

---

[1] رواہ البخاری: [۶۷۶، ۶۰۳۹]، صحیح الترمذی: [۲۴۸۹]، صحیح الادب المفرد: [۴۱۸]، ابن حبان: [۵۶۷۶]

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۵۲۲۸]، مسلم: [۲۴۳۹]، ابن حبان: [۷۱۱۲]

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی تحفہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے:

”اسے فلاں عورت کے پاس لے جاؤ کیوں کہ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھی۔“[1]

تو یہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عورتوں کے لیے احترام، اے آزادی نسواں کی رٹ لگانے والو! تمہیں اس سے کیا نسبت؟

---

[1] رواه الطبرانی، صحیح الادب المفرد: [۱۷۲]، مسند بزار: [۱۳/ ۲۹۰]، الصحیحہ: [۲۸۱۸] وذکر لہ شاہداً فی البخاری ومسلم، ابن حبان: [۷۰۰۷]

سولہویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور اپنی قوم کو دعوت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس برس کی عمر میں جو کہ سن کمال ہے، بعثت و نبوت سے سرفراز ہوئے چنانچہ بروز پیر سترہ رمضان کی رات کو غارِ حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرشتہ نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت گراں گزرتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا، اور پیشانی پر پسینہ آجاتا۔

جب فرشتہ نازل ہوا تو اس نے کہا کہ پڑھ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا:

''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' تو فرشتہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دبایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت کو نچوڑ دیا، پھر اس نے کہا پڑھ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' تین مرتبہ اس نے کہا اور تینوں مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی جواب دیا۔ پھر اس نے کہا کہ:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵﴾ [1]

''پڑھ اس رب کے نام سے جس نے تم کو پیدا کیا، اس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب باعزت ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا اور انسان کو وہ چیز سکھائی جس کا اسے علم نہیں تھا۔''

---

[1] سورۃ العلق: [۱۔۵]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس کانپتے ہوئے لوٹے اور انہیں سارا ماجرا سنایا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان دلایا اور کہا:

''خوش ہو جاؤ، اللہ کی قسم! اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر گز رسوا نہیں کریگا، بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی گفتگو کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کی خبر گیری کرتے ہیں، اور مہمان نواز ہیں، اور زمانے کے مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت و مدد کرتے ہیں۔''

پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی تھے، انہوں نے دورِ جاہلیت میں عیسائیت اختیار کر لی تھی اور عبرانی میں لکھنا جانتے تھے۔ انہوں نے انجیل سے عربی زبان میں جتنا اللہ نے توفیق دی لکھا، اس وقت وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سنیں ورقہ نے کہا:

''بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارا واقعہ بیان کیا۔

ورقہ نے کہا: ''یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ اے کاش میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش میں اسوقت زندہ ہوتا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہر سے نکال دے گی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟'' ورقہ نے کہا ہاں، جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لے کر آیا جس طرح تم لے کر آئے ہو، اس سے ضرور دشمنی کی گئی۔ اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا جلد ہی انتقال ہو گیا۔''

پھر کچھ وقفہ کے لیئے وحی کا سلسلہ رک گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دنوں تک یونہی ٹھہرے رہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھی نہیں دیکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے غمزدہ ہو گئے، اور وحی کے نزول کے مشتاق ہوئے، پھر فرشتہ آسمان و زمین کے بیچ کرسی پر نمودار ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسکین دلائی

اور یہ بشارت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوف زدہ ہو گئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہنے لگے:

''مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اوڑھا دو''

تو اللہ نے اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَأَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤﴾ [1]

''اے کپڑا اوڑھنے والے، کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے، اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر، اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر، ناپاکی کو چھوڑ دے۔''

اللہ رب العالمین نے ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کو ڈرانے اور انکو اللہ کی طرف بلانے اور اللہ کی تعظیم وتکبیر بیان کرنے اور اپنے نفس کو گناہ ومعاصی سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیئے کمربستہ ہو گئے اور یقین کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور اللہ کی اطاعت میں پورے طور سے لگ گئے۔ اللہ کی طرف کالے گورے چھوٹے بڑے مرد عورت آزاد غلام سب کو بلانے لگے۔ ہر قبیلہ کے کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، جن کو اللہ نے دنیا وآخرت میں نجات دینا چاہا وہ اسلام میں پوری روشنی وبصیرت کے ساتھ داخل ہو گئے تو مکہ کے بیوقوفوں نے ان کو اذیت وتکلیف دینا شروع کر دیا اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعے محفوظ رکھا کیونکہ ابوطالب ان کے نزدیک بہت ہی شریف اور قابلِ اطاعت تھے۔ انکی وجہ سے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی معاملہ میں دخل اندازی کی جرأت نہیں کرتے تھے، کیوں کہ وہ ابوطالب کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بارے میں جانتے تھے، نیز ابوطالب اپنے دین (کفر) پر ہی تھے

---

[1] سورۃ المدثر: [۱-۵]

اوراس چیز نے کفارِ مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھلم کھلا عداوت ودشمنی کرنے سے مانع رکھا اورانہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صبر سے کام لیا۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال تک سرّی دعوت دیتے رہے۔''

پھر اللہ کا مندرجہ ذیل فرمان نازل ہوا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [1]

''پس آپ اس حکم کو جو آپ کو کیا جارہا ہے کھول کر سنا دیجیے! اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا یعنی جہری دعوت دینا شروع کر دیا اور جب اللہ کا مندرجہ ذیل فرمان نازل ہوا:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [2]

''اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرا دے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے اور صفا پہاڑی پر چڑھ کر یہ آواز لگائی:

''ہائے صبح کی بربادی! تو لوگوں نے کہا کہ یہ کون صدا لگا رہا ہے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تو سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اکٹھے ہو گئے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے بنی فلاں! اے بنی فلاں! اے بنوعبد مناف! اے بنوعبد المطلب!'' اس پر سب لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگوں کا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں اس بات کی خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے وادی سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا

[1] سورۃ الحجر: [۹۴]

[2] سورۃ الشعراء: [۲۱۴]

تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یہی جواب دیا کہ ہم نے آپ ﷺ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں ایک سخت عذاب کی آمد سے ڈرا رہا ہوں۔'' اس پر آپ ﷺ کا سگا چچا ابولہب بولا: تمہاری ہلاکت ہو، تو نے ہمیں کیا صرف اسی لیئے جمع کیا تھا، پھر اٹھ کر چلا گیا تو اس پر اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥﴾ [1]

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا، نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی، وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا۔ اور اس کی بیوی بھی (جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے، اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔'' [2]

---

[1] سورۃ اللھب: [۱۔۵]

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۴۹۷۱]، مسلم: [۲۰۸]، صحیح ترمذی: [۳۳۶۳]، صحیح ابن حبان: [۶۵۵۰]

سترہویں مجلس

تکلیفوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صبر وثبات

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ دعوت میں قدم رکھا اور نصیحت وموعظت کے راستے کو اپنایا اور ارشاد وراہنمائی کے میدانوں میں گھُسے اور لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور کفر وشرک، بتوں کی پوجا اور باپ داداؤں کی ڈگر سے دور رہے، اور لوگوں کو برائیوں کو چھوڑنے اور حرام کردہ چیزوں سے دور رہنے کی دعوت دی۔ اس پر کچھ لوگ ایمان لائے اور اکثر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی۔

باوجودیکہ آپکے چچا ابوطالب کے ذریعے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی، پھر بھی آپکو بہت تکلیف پہنچائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محاصرہ کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرصۂ حیات کو تنگ کردیا گیا، چنانچہ نبوت کے ساتویں برس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابوطالب اور بنی ہاشم وبنی مطلب کے کافر ومسلمان تمام افراد کے ساتھ ماسوا ابولہب کے گھاٹی میں داخل ہوئے، جب گھاٹی میں داخل ہوگئے تو قریش نے محاصرہ بندی پر اتفاق کرلیا اور صلح کی پیش کش قبول کرنا نامنظور کردیا اور بازاروں کے راستے ان پر بند کردیے، اور کھانے پینے کے سامان کو روک دیا، یہاں تک کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لیئے انکے حوالے کردیں اور اس ظالمانہ وقاہرانہ برتاؤ کو ایک دستاویز میں لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ گھاٹی میں داخل ہوجانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کرجانے کا حکم دیدیا کیونکہ انہیں مشقِ ستم بنایا جارہا تھا جسکی برداشت کی ان میں طاقت نہیں تھی اور یہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت تھی۔ تقریباً تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی اور انکے پاس یمن کے مسلمان بھی چلے گئے۔

آپ ﷺ گھاٹی میں تقریباً تین سال تک سخت بھوک و پیاس اور مشقت میں بند رہے، بہت ہی چپکے سے ان تک کوئی چیز پہنچ پاتی تھی، یہاں تک کہ انھیں درخت کے پتے کھانے پڑے اور اسی طرح یہ کیفیت دسویں سال تک جاری، یہاں تک کہ قریش کے چند لوگوں نے اس ظالمانہ دستاویز کو چاک کر دیا تو آپ ﷺ اور انکے ساتھی گھاٹی سے باہر نکلے۔

اور اسی سال خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں اور انکی وفات کے تقریباً دو ہی مہینے بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب بھی وفات پا گئے۔ جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو قریش نے آپ ﷺ کو ستانا شروع کیا، جس کی وہ ابو طالب کی زندگی میں طاقت نہیں رکھتے تھے، اور آپ ﷺ پر تعصب اور ظلم وستم کو سخت کر دیا۔ [1]

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے اردگرد ابو جہل اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی کل ہی کہیں پر اونٹ نحر کیا گیا تھا، اتنے میں ابو جہل کہتا ہے کہ:

"تم میں سے کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لے کر آئے اور جب محمد [ﷺ] سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟۔"

اس پر قوم کا سب سے بدترین شخص اٹھ کھڑا ہوا اور اسے لے آیا اور جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے بیچ ڈال دی، پھر سب ہنسنے لگے، اور ایک دوسرے پر گرنے لگے تب فاطمہ رضی اللہ عنہا دوڑی ہوئی آئیں اور اس کو اٹھا کر پھینکا پھر ان کو سب وشتم کرنے لگیں جب آپ ﷺ نماز پوری کر چکے تو اپنی آواز کو بلند کیا پھر آپ ﷺ نے ان پر بددعا کی اور فرمایا:

"اے اللہ! تو قریش کو پکڑ لے، تین بار یہی دھرایا، جب انہوں نے آپ ﷺ کی بددعا کو سنا تو ان کی ہنسی جاتی رہی اور آپ ﷺ کی بددعا

[1] دیکھیے کتاب: لباب الخیار فی سیرۃ المختار: [ص: ۳۷-۴۰]

سے ڈرے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! تو ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، میں نے بدر کے دن ان تمام لوگوں کو جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام لے کر بددعا کی تھی مقتول پایا، پھر انہیں بدر کے کنویں میں دھکیل دیا گیا۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے:

''عقبہ بن ابی معیط نے ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے کو پکڑا اور آپکے کپڑے کو گردن میں لپیٹ کر سختی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلا گھونٹا، اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کیا اور فرمایا: ''کیا تم ایک آدمی کو اس لیئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟''

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اذیتیں بڑھ گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف نکل گئے اور وہاں قبیلہ ثقیف کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی تو ان کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استہزاء ودشمنی اور تکلیف کے سوا کچھ نہ حاصل ہوا، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سنگباری کی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں ایڑیاں خون آلود ہوگئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی طرف واپسی کا فیصلہ کر لیا اور راستے میں قرنِ ثعالب کے پاس پہنچے تو اپنے سر کو اٹھایا، کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کا ایک ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیئے ہوئے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غور سے دیکھا تو اس میں جبرائیل علیہ السلام تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارا اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کی باتوں کو سن لیا اور ان کے ردِ عمل کو دیکھ لیا ہے۔ اور اس نے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے بارے میں جو چاہیں حکم صادر کریں۔ پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے آپکو پکار کر سلام کیا، پھر کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کی باتوں کو سن لیا اور انکے ردِ عمل کو دیکھ لیا ہے۔ اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں جو چاہیں حکم صادر کریں۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو مکہ کی دونوں پہاڑیوں کے بیچ ان کو پیس کر رکھ دوں۔ (لیکن قربان جایئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ’’(نہیں) بلکہ مجھے اپنے رب سے یہ امید (قوی) ہے کہ ان کی پشت (یا نسل) سے وہ ایسے لوگوں کو نکالے (یا پیدا فرمائے) گا جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھرائیں گے۔‘‘[1]

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۲۳۱]، مسلم: [۱۷۹۵]، ابن حبان: [۶۵۶۱]

اٹھارہویں مجلس

اللہ تعالیٰ کی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ ﴾ [1]

”اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یعنی میرے پیغام کو پہنچائیے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت اور دشمنوں کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد و نصرت کروں گا اور ان پر فتح نصیب کروں گا، اس لیئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوف نہ کھائیں اور غمگین نہ ہوں، ان میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برائی نہیں پہنچا سکتا۔ اس آیت کے نزول سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہرہ داری کی جاتی تھی۔“

اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی مثالوں میں سے وہ واقعہ بھی ہے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] سورۃ المائدہ: [٦٧]

''ابوجہل نے ایک مرتبہ کہا کہ کیا محمد ﷺ تم لوگوں کے مابین اپنے چہرہ کو خاک آلود کرتا ہے؟ تو کہا گیا: ہاں! تو اس نے کہا: قسم ہے لات وعزیٰ کی! اگر میں نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا تو اسکی گردن روند دوں گا اور اس کے چہرہ کو خاک آلود کر دوں گا۔ وہ رسول ﷺ کے پاس اس حال میں آیا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور وہ اس گمان میں تھا کہ آپ ﷺ کی گردن روند دیگا۔ راوی کہتے ہیں کہ: ''وہ آپ ﷺ سے قریب ہی ہوا تھا کہ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹتے اور اپنے ہاتھوں سے بچاؤ کرتے بھاگا۔ لوگوں نے کہا: ''تمہیں کیا ہو گیا؟'' اس نے کہا: ''میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے، ہولناکیاں ہیں اور پر ہیں'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے جسم کا ایک ایک عضو اچک لیتے۔''[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا:

''اگر میں نے محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے پایا تو اس کی گردن روند دوں گا۔ یہ بات آپ ﷺ کو جب پہنچی تو آپ نے فرمایا:'' اگر اس نے ایسا کیا تو فرشتے اس کو آدبوچیں گے۔''[2]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''اللہ کے رسول ﷺ نے محارب خصفہ سے جنگ کی، جب انہوں نے مسلمانوں کو غفلت میں دیکھا تو ان میں سے غورث بن حارث نام کا ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے محمد ﷺ! بتاؤ

---

[1] رواہ مسلم: [۲۷۹۷]، ابن حبان: [۶۵۷۱]

[2] رواہ البخاری: [۴۹۵۸]، صحیح الترمذی: [۳۳۴۸]

تمھیں مجھ سے اب کون بچا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ'' اتنا سننا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ: ''بتا اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟'' تو اس نے کہا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے پکڑنے والے ہوئیے (یعنی احسان کیجئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟'' اس نے کہا کہ نہیں، البتہ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی نہیں کروں گا، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائی میں کسی قوم کا ساتھ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ واپس چلا گیا اور (اپنی قوم میں جا کر) کہا کہ:

''میں تمہارے یہاں سب سے بہتر انسان کے پاس سے آ رہا ہوں۔'' [1]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک نصرانی آدمی تھا جو اسلام لے آیا اور وہ سورۂ بقرہ وآل عمران پڑھتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب بھی تھا، پھر وہ مرتد ہو کر دوبارہ نصرانی ہو گیا، اور وہ کہتا پھرتا تھا کہ: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ہی معلوم ہے جتنا میں نے ان کے لیئے لکھا تھا''۔ چنانچہ اللہ نے اسے ہلاک کر دیا اور لوگوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو زمین نے اسکی لاش کو باہر پھینک دیا تھا، اس پر انہوں نے کہا: ''یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے۔ جب وہ ان کے پاس سے بھاگ آیا تو انہوں نے ہمارے آدمی کی قبر کو اکھاڑ کر اسے باہر پھینک دیا ہے۔'' پھر انہوں نے اس کے لیئے دوبارہ قبر کھودی اور اسے خوب گہری کر دیا (اور اسکو

[1] رواہ الحاکم وصححہ۔ صحیح ابن حبان: [۲۸۸۳] عمدۃ التفسیر: [۱/ ۵۶۷] وصححہ احمد شاکر والالبانی فی تخریج المشکاۃ: [۵۳۳۵]

اس میں دفن کردیا) لیکن صبح ہونے تک ہی زمین نے اسکی لاش کو باہر پھینک دیا وہ کہنے لگے: ''یہ محمد ﷺ اوران کے ساتھیوں کا ہی کام ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھی کی قبر کو اکھاڑ دیا'' چنانچہ انہوں نے پھر اسکے لیئے استطاعت بھر گہرا گڑھا کھودا (اوراس میں دفن کردیا) لیکن صبح ہوتے ہی زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔اب انہیں یقین ہوگیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے چنانچہ انہوں نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا۔''[1]

اور حفاظتِ الٰہی ہی کی مثالوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو قریش کے خفیہ طور پر رات کی تاریکی میں قتل کرنے کی سازش سے محفوظ رکھا ہے جس وقت ان لوگوں نے یہ اتفاق کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک نوجوان بہادر شخص کولیا جائے، پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک تیز تلوار سونپ دی جائے جس سے سبھی لوگ آپ ﷺ پر یک بارگی حملہ کریں اوران کو قتل کردیں۔اس طرح آپ ﷺ کا خون قریش کے تمام قبائل کے درمیان متفرق ہوجائے گا اور بنوعبد مناف تمام عرب سے لڑائی نہیں کرسکیں گے۔اللہ رب العالمین نے جبرائیل علیہ السلام کو نازل کرکے آپ ﷺ کو مشرکین کی سازشوں سے باخبر کردیا اور یہ حکم دیا کہ اس رات آپ ﷺ اپنے بستر پر نہیں لیٹیں گے اور یہ خبر دی کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ہجرت کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

اور حفاظتِ الٰہی میں سے ہی یہ بھی ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو سراقہ بن مالک بن جُعشم کی چال سے جو ہجرت کے وقت راستے میں آپ ﷺ کا تعاقب کررہا تھا محفوظ کردیا۔

اور اسی حفاظتِ الٰہی میں سے غارِ ثور میں آپ ﷺ کی حفاظت کرنا بھی ہے، جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تمہارا ان دونوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا

---

[1] رواہ البخاری: [۳۶۱۷]، ومسند بزار: [۷/ ۲۹۷]

تیسرا اللہ ہے۔"

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"حفاظتِ الٰہی ہی میں سے اہلِ مکہ کے سرداروں، حاسدوں، کینہ پروروں اور سرکشوں سے آپ ﷺ کو محفوظ رکھنا ہے، جنہوں نے رات و دن آپ ﷺ کی عداوت و دشمنی میں ایک کر رکھا تھا۔ اللہ رب العزت نے اپنی غالب قدرت اور عظیم حکمت سے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ ابتدائے رسالت میں تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے ذریعے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی، کیونکہ وہ قریش میں قابلِ اطاعت سردار سمجھے جاتے تھے اور اللہ نے ان کے دل میں آپ ﷺ کے لیئے فطری محبت ڈال دی تھی۔ اگر وہ اسلام لے آتے تو قوم کے کافر اور سرغنہ لوگ آپ ﷺ پر جرأت کرتے لیکن چوں کہ ابو طالب اور انکی قوم کے درمیان کفر قدرِ مشترک تھی، اس لیئے وہ ان سے خوف کھاتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔"

اسی لیئے جب آپ ﷺ کے چچا کا انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ کو مشرکوں نے چند دنوں تک کافی تکلیف پہنچائی، پھر اللہ نے آپ ﷺ کے لیئے انصار کو مہیا کر دیا جنہوں نے آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی اور اس بات پر کہ آپ ﷺ ان کے گھر مدینہ کی طرف کوچ کر جائیں، پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کی ہر کالے گورے سے حفاظت فرمائی اور جب بھی مشرکین یا اہلِ کتاب میں سے کسی نے آپ ﷺ کے ساتھ کوئی برائی کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کے مکر و فریب کو باطل کر کے اسے انہیں پر لوٹا دیا۔"[1]

[1] تفسیر ابن کثیر: [۲/۱۰۸-۱۱۰] باختصار

انیسویں مجلس

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایمان کے لازمی تقاضوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا بھی ہے اور کوئی مسلمان شخص اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے محبت نہیں کریگا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نور کے راستے اور ایمان کی طرف اس کی راہنمائی اور آگ اور کفر سے اس کی نجات کے سبب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

> ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔'' [1]

بلکہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کے اپنے نفس سے محبت رکھنے سے بڑھ کر ہونی چاہیے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ:

> ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک میرے نفس کے سوا تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب تک کہ میں تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔'' تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اب اے عمر۔'' [2]

---

[1] متفق علیہ۔ صحیح مسلم: [۴۴]، صحیح نسائی: [۵۰۲۸]، صحیح ابن ماجہ: [۵۶]، ابن حبان: [۱۷۹]، مسند بزار: [۱۴/۷۷] الصحیحہ: [۲/۶۶]

[2] اسے بخاری: [۶۶۳۲] نے روایت کیا ہے

بے شک نبی ﷺ سے محبت کا دعویٰ تو ہر کوئی کرتا ہے یہاں تک کہ خواہش پرست اور بدعتی بھی، قبر پرست، جادوگر اور شعبدہ باز بھی بلکہ بہت سے فسق و فجور والے بھی دعویٰ کرتے ہیں، لیکن معاملہ صرف محبت کا دعویٰ کرنے کا نہیں بلکہ حقیقتِ محبت کا ہے کیوں کہ محبتِ رسول ﷺ کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کے اوامر کی بجا آوری کی جائے، اور نواہی سے اجتناب کیا جائے، اور آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہی اللہ کی عبادت کی جائے نہ کہ بدعات اور خواہشاتِ نفس سے۔ اسی لیئے آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر وہ جس نے انکار کیا۔'' تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کون ایسا شخص ہے جو اے اللہ کے رسول ﷺ! جنت میں جانے سے انکار کرے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔'' [1]

بے شک محبتِ رسول ﷺ جشنِ میلادِ نبوی ﷺ منانے، ماتم و سوگ منانے اور غلو آمیز مدحیہ اشعار و قصیدے گنگنانے سے نہیں حاصل ہوتی ہے بلکہ آپ ﷺ کی سنتوں کی اتباع و پیروی کرنے، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی تعظیم کرنے، آپ ﷺ کی سنتوں کا احیاء کرنے، آپ ﷺ کی ذات اور سنت کا دفاع کرنے، آپ ﷺ کی لائی ہوئی خبروں کی تصدیق کرنے اور آپ ﷺ کے بارے میں گفتگو کرتے وقت ہیبت و رعب کو سامنے رکھ کر اور آپ ﷺ کے ذکر کے وقت آپ ﷺ پر درود سلام پیش کر کے حاصل ہوگی۔ اور آپ ﷺ کی شریعت میں ایجاد بدعات سے بچنے، آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت اور انکا دفاع کرنے، ان کے فضائل و منقبت کی معرفت حاصل کرنے اور آپ ﷺ کی سنت سے دشمنی رکھنے والوں سے نفرت رکھنے یا آپ ﷺ کی

---

[1] متفق علیہ۔ صحیح بخاری: [۷۲۸۰]، مسند احمد: [۱۶/ ۲۹۷]، السلسلۃ الصحیحۃ: [۲۰۴۴]، ابن حبان: [۱۷]

شریعت کی مخالفت کرنے والوں، یا رواۃ وحاملینِ حدیث کی قدروں کو کم کرنے والوں سے نفرت وعداوت رکھنے سے ہوگی۔ غرض جو بھی شخص ان مذکورہ چیزوں میں آپ ﷺ کی مخالفت کریگا تو وہ آپ ﷺ کی محبت سے اپنی مخالفت کے بقدر دور ہوگا۔

مثال کے طور پر آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جس نے ہمارے اس امر [یعنی دین] میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ونا قابلِ قبول ہے۔''[1]

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! دین میں نئی ایجادات سے بچو کیونکہ (دین میں) ہر نو ایجاد کردہ چیز بدعت ہے۔''[2]

اس تحذیر ودھمکی کے باوجود کچھ لوگ ایسے آتے ہیں جو دین میں ایسی چیزیں ایجاد کرتے ہیں جو اس میں سے نہیں ہیں، اور ان بدعات کو اچھا سمجھتے ہیں بلکہ انہیں نبی ﷺ سے محبت کی دلیل سمجھتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جھوٹ بھی بولتے ہیں، بلکہ جھوٹی اور من گھڑت روایات آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کے لئے جھوٹ بولا ہے نہ کہ آپ ﷺ پر، اور یہ سب سے بڑا بہتان اور بدترین گمراہی میں سے ہے کیوں کہ شریعتِ الٰہی مکمل ہے، اور یہ ان لوگوں کے جھوٹ اور بطلان کی محتاج نہیں۔

اور اسی قبیل سے آپ ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے سے منع فرمانا بھی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی نہ دو، کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۲۶۹۷]، صحیح مسلم: [۱۷۱۸]، صحیح ابی داؤد: [۴۶۰۶]، صحیح ابن ماجہ: [۱۴]، ابن حبان: [۲۶]

[2] رواہ اہل السنن۔ السلسلۃ الصحیحۃ: [۲۷۳۵]، السنہ لابن ابی عاصم: [۲۷-۲۸]، صححہ الالبانی

پہاڑ کے برابر بھی سونا صدقہ کرے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مد بلکہ اسکے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [1]

اس فرمان کے باوجود بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں اور خاص کر شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر لعن وطعن کرتے ہیں اور پاک دامن عائشہ رضی اللہ عنہا جن کو اللہ نے اپنی کتاب میں پاک قرار دیا ہے، ان پر اتہام والزام لگاتے ہیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور اہلِ بیت کی جانب سے دفاع گمان کرتے ہیں۔

اور اسی ہی قبیل سے یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلو اور اپنی بے جا مدح سرائی سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''میری اس طرح سے بڑھ چڑھ کر تعریف نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا، بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔'' [2]

اس ممانعت کے باوجود بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اہلِ کتاب کی پیروی اور انکے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی صفات سے متصف کرتے ہیں جو صرف خالق سبحانہ وتعالیٰ ہی کے شایانِ شان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رزق کا سوال، بیماروں کی شفایابی اور ہلاکت سے نجات وغیرہ طلب کرتے ہیں، جسے صرف اللہ کی ذات سے ہی طلب کیا جاسکتا ہے، پھر اسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی نشانی گمان کرتے ہیں، لیکن صحیح ودرست بات یہ ہے کہ یہ سب اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت اور شرک وجہالت کی علامت وپہچان میں سے ہے۔

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۶۷۳]، صحیح مسلم: [۲۵۴۰-۲۵۴۱]، صحیح ابی داوٗد: [۴۶۵۸]، صحیح ابن ماجہ: [۱۳۲]، صحیح ترمذی: [۳۱۰۷]، مسند بزار: [۱۳/ ۴۵۱]

[2] رواہ البخاری: [۳۴۴۵]، ابن حبان: [۶۲۳۹]، مسند احمد: [۱/ ۹۰]، مختصر الشمائل للترمذی والالبانی: [۲۸۴]

بیسویں مجلس

نبوت کی عظیم ترین نشانی

آپ ﷺ کی نبوت کی عظیم ترین علامت قرآنِ عظیم ہے، وہ ایسی کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ رب العالمین نے عرب وعجم کو قیامت تک اس کے مثل پیش کرنے کا چیلنج کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [1]

''ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے، اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنالاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [2]

''کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لے آؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلالو

---

[1] سورۃ البقرۃ: [۲۳]

[2] سورۃ یونس: [۳۸]

اگر تم سچے ہو۔"[1]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کئی وجوہات واعتبار سے معجزہ ہے:

اوّل: اختصار وطول ہر دو میں ہی فصاحت وبلاغت پر مشتمل ہے۔ کبھی تو لمبے واقعات بیان کیئے جاتے ہیں، پھر اسی قصہ کو اختصار کے ساتھ بغیر معنیٰ میں کمی کے دھرایا جاتا ہے۔

دوم: اس کا اسلوب، کلام اور اوزانِ شعر سے کافی جدا ہے، اور انہی دونوں معانی کے اعتبار سے اہلِ عرب کو چیلنج کیا گیا تو وہ عاجز رہ گئے، اور حیرت وتعجب میں پڑ کر اس کے فضل و اعجاز کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے یہاں تک کہ ولید بن مغیرہ نے کہا:

"اللہ کی قسم! یہ انتہائی میٹھا ہے، اور نہایت ہی بارونق وخوشنما کلام ہے۔"

سوم: سابقہ امتوں کے واقعات اور ان انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں پر مشتمل ہے جنہیں اہلِ کتاب جانتے تھے باوجودیکہ اس کو لانے والا ایک اُمی اور ان پڑھ شخص تھا، جسے پڑھائی لکھائی کا کچھ بھی علم نہیں تھا اور نہ ہی وہ احبار اور کہان کی مجلسوں میں بیٹھتا تھا۔ اہلِ عرب میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور اخباری علماء اور کاہنوں کی مجالست اختیار کرتا تھا وہ بھی قرآن کی بتائی ہوئی خبروں کو نہیں جانتا ہے۔

چہارم: مستقبل میں پیش آنے والے غیبی امور کے بارے میں خبر دینا جو قطعی طور پر اس کی صداقت کا پتہ دیتے ہیں، کیونکہ وہ بعینہٖ اسی طرح واقع ہوئے ہیں جس طرح قرآن نے خبر دی تھی۔

جیسے قرآن کا یہود کے بارے میں فرمانا:

[1] ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر جن وانس مل کر بھی اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے۔ [سورۃ بنی اسرائیل: ۸۸] اور سورۃ ھود میں فرمایا کہ صرف دس سورتیں ہی لانا چاہو تو بھی نہیں لا سکو گے، اللہ کے سوا جس کو چاہیں اپنے ساتھ ملا لیں۔ [سورۃ ھود: ۱۳] ابو عدنان۔

﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[1]

''تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو۔''

پھر فرمایا:

﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾[2]

''لیکن اپنے کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے۔''

اس طرح قرآن کا یہ ارشاد ہے:

﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾[3]

''اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ۔''

پھر فرمایا:

﴿وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾[4]

''اور تم ہرگز نہیں کر سکتے۔''

تو وہ لوگ ایسا نہیں کر پائے۔

اسی طرح قرآن کا یہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ﴾[5]

''کافروں سے کہہ دیجیے! کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے۔''

اور وہ حقیقت میں مغلوب ہوئے۔

نیز قرآن کا یہ فرمان ہے:

---

[1] سورۃ البقرۃ: [۹۴]

[2] سورۃ البقرۃ: [۹۵]

[3] سورۃ البقرۃ: [۲۳]

[4] سورۃ البقرۃ: [۲۴]

[5] سورۃ آل عمران: [۱۲]

﴿لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۙ﴾ [1]

"ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجدِ حرام میں داخل ہوگے۔"

اور وہ داخل ہوئے۔

اسی طرح ابولہب کے بارے میں خبر دینا کہ:

﴿سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ‏ وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۚ‏ فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ‏﴾ [2]

"وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا اور اس کی بیوی بھی (جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے، اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔"

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دونوں کفر کی حالت میں موت پائیں گے، اور اسی طرح ہی ہوا۔

پنجم: قرآن اختلاف وتناقض سے پاک ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا﴾ [3]

"اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] سورۃ الفتح: [۲۷]

[2] سورۃ المسد: [۳-۵]

[3] سورۃ النساء: [۸۲]

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹﴾ [1]

''ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گزرے، سب کو کوئی نہ کوئی نشانی دی گئی جن پر ان کی قوم کے لوگ ایمان لائے البتہ مجھے وحی دی گئی ہے جس کی اللہ نے مجھے وحی کی ہے تو مجھے اللہ سے امید ہے کہ قیامت کے دن میں ان میں سب سے زیادہ پیروکاروں والا ہوں گا۔'' [2]

ابن عقیل فرماتے ہیں:

''قرآن کے اعجاز میں سے ہی یہ بھی ہے کہ کسی کیلئے ممکن نہیں کہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نکال دے جسکا معنیٰ سابقہ کلام سے ماخوذ ہو کیونکہ لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کے خوشہ چیں رہے ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: ''متنبی نے اپنے کلام کو بحتری سے لیا ہے!''

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے دو عجیب وغریب معنے مستنبط کیے ہیں:

اول: یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات انکی موت کے ساتھ ختم ہو گئے چنانچہ اگر کوئی بے دین آج کہے کہ: موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق وسچائی پر کون سا معجزہ دلالت کرتا ہے؟

تو اس کو بتایا جائے کہ:

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے

---

[1] سورۃ الحجر: [۹]

[2] متفق علیہ: بخاری: [۴۹۸۱]، مسلم: [۱۵۲]

سمندر کو پھاڑ دیا گیا تو وہ کہے گا کہ یہ محال ہے۔"

اسی لیئے اللہ رب العزت نے اس قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیئے ابدی معجزہ قرار دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی دلیل ظاہر ہوسکے، نیز اسے دیگر انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر بھی دلیل وحجت بنایا کیونکہ قرآن انکی تصدیق کرتا ہے اوران کے احوال کی خبر دیتا ہے۔

دوم: قرآن نے اہلِ کتاب کو اس بات کی خبر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ان کی تورات اورانجیل میں موجود ہیں، اور حاطب رضی اللہ عنہ کے ایمان اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت و پاکدامنی کے بارے میں بھی گواہی دی اور یہ سب گواہیاں غیبی طور پر تھیں۔ اگر قرآن اور انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف موجود نہ ہوتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے نفرت کرتے اور اگر حاطب رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بارے میں اس کی شہادت کو خلافِ واقعہ جانتے تو ایمان سے متنفر ہوجاتے۔ [1]

---

[1] الوفاص: [۲۷۳۔۲۶۷] باختصار

اکیسویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ عبادت، ذکرواذکار، نماز روزہ اور دیگر عبادت کی قسموں کو انجام دینے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کسی عمل کو کرتے تو اس پر ثابت رہتے اور اس پر مداومت وہمیشگی کرتے۔

اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رات کی نماز [تہجد] کسی تکلیف یا اور کسی وجہ سے چھوٹ جاتی تو دن میں بارہ رکعت پڑھتے تھے۔''[1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ قیام اللیل کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں پھٹ جاتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیوں کرتے ہیں (جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہیں؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے:

''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''[2]

اور حذیفہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ بقرہ شروع کی، میں نے سمجھا کہ سو آیات پر رکوع کریں

---

[1] رواہ مسلم: [۷۴۶]

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۱۱۳۰]، مسلم: [۲۸/۹]، صحیح ترمذی: [۴۱۲]، صحیح النسائی: [۱۶۴۳]، صحیح ابن ماجہ: [۱۱۷۵]، مختصر الشمائل: [۲۲۱]، مسند بزار: [۴۸۴/۱۳]، ابن حبان: [۳۱۱]، ابن خذیمہ: [۱۱۸۴]

گے۔ پھر آپ ﷺ پڑھتے گئے تو میں نے سمجھا یہ ایک رکعت میں پوری سورت پڑھیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۂ نساء شروع کردی، اور اسے مکمل کرنے کے بعد سورۂ آل عمران شروع کردی، یہ بھی مکمل پڑھی، اور آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ جب بھی کوئی تسبیح والی آیت گزرتی تو تسبیح بیان کرتے اور جب بھی کوئی سوال والی آیت ہوتی تو سوال کرتے اور پناہ چاہنے والی آیت ہوتی تو پناہ طلب کرتے، پھر آپ ﷺ رکوع میں گئے اور ((سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ)) (پاک ہے میرا رب جو عظیم ہے) کہنے لگے تو آپ ﷺ کا رکوع بھی قیام کی طرح لمبا تھا پھر آپ ﷺ نے ((سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ)) پڑھا پھر آپ ﷺ نے لمبا قیام [قومہ] کیا جو رکوع سے تھوڑا کم تھا، پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور اس میں ((سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی)) پڑھا تو آپ ﷺ کا سجدہ آپ ﷺ کے قیام سے کچھ کم تھا۔" [1]

آپ ﷺ حضر یعنی مقیم ہونے کی حالت میں دس رکعتوں پر ہمیشہ پابندی کیا کرتے تھے، دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں اسکے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد، دو رکعتیں عشاء کے بعد گھر میں اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔ [2]

آپ ﷺ تمام نوافل میں سے فجر کی سنتوں کا زیادہ اہتمام و پابندی کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان دو رکعتوں اور وتر کو سفر و حضر میں کبھی نہیں چھوڑتے تھے اور آپ ﷺ سے کہیں

---

[1] رواہ مسلم: [۷۷۲]، صحیح ابی داؤد: [۸۵۴]، صحیح النسائی: [۱۳۳۱]

[2] ایک حدیث میں بارہ رکعتوں کا ذکر ہے اور اس میں ظہر سے پہلے چار سنتیں ہیں [دیکھیئے: ۱۲ رکعات: صحیح نسائی: [۸۷۳]، التاریخ الکبیر بخاری: [۳/ ۱۴۲]، صحیح مسلم: [۷۲۸]، مسند احمد: [۲/ ۳۵۴]، مختصر الشمائل: [۲۴۳]، صحیح ترمذی: [۵۹۸]، صحیح ابن خزیمہ: [۱۲۱۱]، ابوداؤد: [۱۲۵۱]، شرح السنہ: [۲/ ۴۲۶]

نہیں منقول ہے کہ ان دونوں (یعنی فجر کی سنت اور وتر) کے علاوہ سفر میں کسی دوسری راتب سنتوں کو پڑھا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ظہر سے پہلے چار رکعت سنت بھی پڑھتے تھے اور ایک مرتبہ پوری رات ایک ہی آیت کو پڑھتے اور دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم [ہر ہفتے میں] پیر و جمعرات کے روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ [1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ:

''پیر اور جمعرات کو اللہ کے ہاں اعمال پیش کیے جاتے ہیں، اور میری یہ چاہت ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش کیے جائیں۔'' [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے جیسا کہ معاذۃ عدویۃ سے روایت ہے کہ انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ:

''کیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مہینہ تین دن روزہ رکھتے تھے؟''

تو انہوں نے کہا: ''ہاں! تو انہوں نے پوچھا کہ مہینہ کے کس حصے میں روزے رکھتے تھے؟ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مہینہ کے کسی حصے کی تعیین کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔'' [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایامِ بیض، مہینے کی تیرہویں چودھویں اور پندرہویں تاریخ کو سفر ہو یا حضر افطار نہیں کرتے تھے۔ (یعنی روزہ رکھتے تھے)۔'' [4]

---

[1] ترمذی: [۷۴۵] نے روایت کر کے حسن قرار دیا ہے، صحیح ابی داود: [۲۴۳۳] ، صحیح نسائی: [۲۴۱۳]

[2] رواہ الترمذی وحسنہ، صحیح الجامع: [۲۹۵۹] وصححہٗ

[3] رواہ مسلم: [۱۱۶۰] ، صحیح ابی داود: [۲۴۵۳] ، صحیح نسائی: [۲۳۶۵] ، صحیح ترمذی: [۷۶۳] ، ابن حبان: [۳۶۴۲] ، سنن کبریٰ بیہقی: [۴/۲۰۰]

[4] نسائی: [۲۳۴۴] نے روایت کیا ہے اور امام نووی نے ریاض الصالحین: [۱۲۱۹] میں حسن کہا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح الجامع: [۴۸۴۸] میں صحیح کہا ہے۔

آپ ﷺ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور اس کا حکم بھی دیتے تھے۔ [1]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''آپ ﷺ شعبان سے زیادہ کسی مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے، آپ ﷺ پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے''۔

اور ایک روایت میں ہے کہ:

''شعبان کے چند دن کو چھوڑ کر پورے مہینے کا روزہ رکھتے۔'' [2]

رہی بات آپ ﷺ کے ذکر کے ذریعے عبادت کی، تو آپ ﷺ کی زبان ہمیشہ اللہ کی ذکر میں مشغول رہتی تھی۔ آپ ﷺ تمام حالات میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے، آپ ﷺ جب سلام سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللہ کہتے (یعنی اے اللہ! میں تیری بخشش چاہتا ہوں) اور کہتے:

((اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَالْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ)) [3]

''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے، اور تجھی سے سلامت حاصل ہوتی ہے۔ اے عظمت وجلال والے! تیری ذات بڑی بابرکت ہے۔''

آپ ﷺ جب سلام سے فارغ ہوتے تو کہتے:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَاشَرِیْکَ لَهُ، لَهُ الْمُلْکُ، وَلَهُ الْحَمْدُ،

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۸۳۱]، مسلم: [۱۱۲۵]، صحیح ابن ماجہ: [۱۴۱۸]، ابن حبان: [۳۶۲۵]، صحیح ترمذی: [۷۵۳]، صحیح ابی داؤد: [۲۴۴۲]، ابن حبان: [۳۶۲۱]

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۱۹۷۰]، مسلم: [۱۱۵۶]، صحیح ابی داؤد: [۲۴۳۴]، صحیح نسائی: [۲۱۷۶]، ابن حبان: [۳۶۴۸]

[3] رواہ مسلم: [۵۹۲]، ابن حبان: [۲۰۰۱]، السنن الکبری نسائی: [۹۸۴۳]، مسند بزار: [۱۰ / ۱۱۳]، ابوداؤد: [۱۵۱۲]، بیہقی: [۵ / ۷۳]

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) [1]

''اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہت ہے، اور اسی کی تعریف، اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اے اللہ! تو جو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جو تو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی مالدار کو اس کی مالداری یا اس کا مال تیرے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔''

آپ ﷺ رکوع وسجود میں کہتے:

((سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ، رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ)) [2]

''پاک ومقدس ہے فرشتوں اور روح کا رب!۔''

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

آپ ﷺ کی اکثر دعا یہ ہوتی تھی:

((اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)) [3]

''اے اللہ! ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائی عطا کر، اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

آپ ﷺ بکثرت استغفار کیا کرتے تھے۔

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۲۲۱۵]، مسلم: [۵۹۳]، ابوداوٗد: [۱۵۰۵]، صحیح الادب المفرد: [۳۵۷]، صحیح نسائی: [۱۳۴۰]، ابن حبان: [۲۰۲۶]، صحیح ابن ماجہ: [۱/ ۲۶۵]

[2] رواہ مسلم: [۴۸۷]، صحیح ابوداوٗد: [۸۷۲]، صحیح نسائی: [۱۱۳۳]، ابن ماجہ: [۱۸۹۹]

[3] متفق علیہ۔ مسلم: [۲۶۹۰]، صحیح ترمذی: [۳۴۸۷]، صحیح ابوداوٗد: [۱۵۱۹]، الادب المفرد: [۵۵۹]، مسند بزار: [۱۳/ ۲۷۷]، ابن حبان: [۹۳۸]

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی مجلس میں سو بار یہ کہتے ہوئے شمار کرتے تھے کہ:

((رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ، اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ)) [1]

''اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور ہماری توبہ کو قبول فرما، بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملہ میں غلو اور عبادت میں تشدد کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تم اپنی استطاعت بھر ہی عبادت کرو، اللہ کی قسم! اللہ نہیں اکتاتا حتیٰ کہ تم خود ہی اکتا جاؤ۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے بہترین دینداری (عبادت) وہ تھی جس کو کرنے والا اس پر ہمیشگی برتے۔ [2]

---

[1] صحیح ابی داود: [۱۵۱۶] اور صحیح ترمذی: [۳۴۳۴] نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ حلیۃ الاولیاء: [۵/ ۱۳]، شرح السنۃ: [۳/ ۹۶]، مسند احمد: [۲/ ۳۲۸]، صحیح ابن ماجہ: [۳۰۹۰] الصحیحہ: [۵۵۶]

[2] متفق علیہ۔ صحیح الجامع: [۴۶۲۶]، صحیح مسلم: [۷۸۵]، صحیح نسائی: [۱۶۴۱]

بائیسویں مجلس

اسلام کے پھیلنے کا آغاز

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف والوں کے استہزاو تمسخر کے بعد مکہ واپس لوٹ آئے اور مطعم بن عدی کی پناہ میں شہر میں داخل ہو گئے۔

اس تکذیب ومحاصرہ بندی اور ظلم واستبداد سے بھرے ماحول میں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان اور ثابت قدمی عطا کرنا چاہا، اس لیئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسراء ومعراج سے نوازا اور اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھلائیں، اور اپنی عظمت کے دلائل اور قدرت کی نشانیوں سے آگاہ کیا تا کہ یہ چیزیں کفر اور کفار کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوت وطاقت فراہم کریں۔

اسراء: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راتوں رات مکہ کی مسجدِ حرام سے بیت المقدس کی مسجدِ اقصیٰ تک جانا پھر اسی رات مکہ واپس آجانا۔

معراج: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالمِ بالا تک جانا، اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا، اور غیبی دنیا کا مشاہدہ کرنا، اور وہیں پر پنجوقتہ نمازیں بھی فرض ہوئیں۔

یہ واقعہ مومنوں کے ایمان کی آزمائش کا سبب ثابت ہوا کیوں کہ بعض مسلمان اس واقعہ کے بعد مرتد ہو گئے اور بعض لوگ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ:

> ''تمہارا ساتھی تو یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے آج رات بیت المقدس کی سیر کی ہے؟'' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا انہوں نے ایسا کہا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''ہاں!'' اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے'' ان لوگوں نے کہا: ''کیا آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات بھر

میں مکہ سے بیت المقدس تک گئے اور صبح ہونے سے پہلے مکہ واپس آ گئے؟"
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: "ہاں! میں تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتا ہوں، میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صبح وشام آسمانی خبروں کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق پڑ گیا۔"

جب قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی ادائیگی میں رخنہ ڈالنے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے دیگر قبائل کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ طائف سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو حج میں آئے ہوئے قبائل پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ انہیں اسلام کے بارے میں بتاتے اور انہی کے پاس پناہ ونصرت طلب کرتے، یہاں تک کہ اللہ کے کلام کو پہنچا سکیں تو ان میں سے کچھ لوگوں نے بہت برا جواب دیا اور بعض نے اچھا جواب دیا اور ان میں سب سے برا جواب دینے والے بنو حنیفہ کے لوگ تھے جو مسیلمہ کذاب [جھوٹے مدعیٔ نبوت] کے قبیلے سے تھے۔ عرب میں سے جن لوگوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوت پیش کی، ان میں یثرب کے قبیلہ اوس کے چند لوگ بھی تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بات کی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اوصاف کو پہچان گئے جن سے یہود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متصف کیا کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا:

"اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کا یہود ہم سے وعدہ کرتے تھے تو یہود ہم سے سبقت نہ لے جانے پائیں۔"

چنانچہ ان میں سے چھ لوگ ایمان لے آئے جو مدینہ میں اسلام کے پھیلنے کا سبب بنے۔ ان چھ حضرات کے نام اسطرح سے ہیں: اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر اور سعد بن ربیع رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

پھر وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آئندہ سال ملنے کا وعدہ کر کے واپس چلے گئے۔ جب اگلا

سال آیا جو کہ بعثت کا بارہواں سال تھا تو بیعتِ عَقَبہ اولیٰ کا واقعہ پیش آیا، جس میں بارہ آدمیوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ دس قبیلہ اوس کے اور دو خزرج کے تھے۔ ان میں سے پانچ پہلے چھ لوگوں میں سے تھے۔ عَقَبہ نامی گھاٹی کے پاس وہ لوگ ایمان لائے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے، آپ ﷺ کی تصدیق کرنے، شرک و معصیت سے بیزاری، بھلائی کے کام کرنے اور صرف حق بات کہنے پر آپ ﷺ سے بیعت کی۔ پھر وہ مدینہ واپس چلے گئے، پس اللہ نے انکے اندر اسلام کو ظاہر کر دیا اور مدینہ کے گھر گھر میں آپ ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔

بیعتِ عَقَبہ اولیٰ کے دوسرے سال یعنی بعثتِ نبوی کے تیرہویں سال بیعتِ عَقَبہ ثانیہ پیش آئی۔ اس سال آپ ﷺ کے پاس ستر مرد اور دو عورتیں تشریف لائیں، سب نے اسلام قبول کیا اور عَقَبہ کے پاس خوشی و غمی (چستی و سستی یعنی ہر حال) میں آپ کی سمع و اطاعت کرنے، تنگی و فراخدلی میں خرچ کرنے بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے، اللہ کے خاطر کسی لومت لائم [ملامت کرنے والے کی ملامت] کی پرواہ نہ کرنے اور آپ ﷺ کی مدد و نصرت کرنے پر آپ ﷺ سے بیعت کی۔

پھر آپ ﷺ نے ان سے بارہ نقیبوں کو چننے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں۔ خزرج میں سے نو اور اوس میں سے تین نقیبوں کا انہوں نے انتخاب کیا پھر آپ ﷺ نے ان نقباء سے فرمایا کہ:

> ”تم لوگ اپنی اپنی قوم کے اسی طرح نگراں (کفیل) ہو جس طرح حواری عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے کفیل تھے، اور میں اپنی قوم یعنی مسلمانوں کا کفیل ہوں۔“

پھر وہ لوگ مدینہ واپس ہو گئے چنانچہ وہاں کے لوگوں میں اسلام پھیل گیا اور یہ ہجرت نبوی ﷺ کا مقدمہ تھا۔ [1]

---

[1] دیکھیے: لباب الخیار فی سیرۃ المختار ص: [۴۲۔۴۳]

تیئسویں مجلس

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایذا رسانی بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے مطمئن تھے کہ مدینہ شریف میں دعوت پھیل چکی ہے اور مہاجرین کے استقبال کیلئے فضا ہموار ہو چکی ہے، چنانچہ مومنوں نے ہجرت میں جلدی کی اور وہ گروہ گروہ کر کے ایک کے پیچھے ایک نکلنے لگے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جن کو مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا، جب قریش کو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک محفوظ سرزمین کی طرف جا رہے ہیں تو اس دین کے پھیلاؤ سے خوف محسوس کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے پر سب متفق ہو گئے۔ جس رات انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چپکے سے قتل کرنے کی ناپاک سازش کی تھی، اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکی سازش سے باخبر کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کر کے ان مومنوں سے جا ملنے کا حکم دیدیا جو ہجرت کر گئے تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس رات بستر پر سونے سے منع کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لیٹنے اور اپنی چادر اوڑھنے کے لیے کہا اور یہ حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے لوگوں کی امانتوں کو ان کے حوالے کر دینا۔ علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے درانحالیکہ دروازے کے پیچھے تلواریں سونتی ہوئی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کافروں کے درمیان سے ہوتے ہوئے باہر نکلے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا

چاہتے تھے مگر اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا اور نبی ﷺ نے ان کی ذلت کے طور پر انکے سروں پر مٹی ڈالدی۔ پھر آپ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور رات ہی میں دونوں جلدی جلدی نکل پڑے۔

نبی ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ غارِ ثور کے پاس پہنچ گئے اور غار میں ہی ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی تلاش و جستجو میں کمی ہوگئی۔ جب قریش کو اپنی چال کے فاسد اور اپنے منصوبے کے ناکام ہوجانے کا علم ہوا تو انکا غصہ بھڑک اٹھا اور انہوں نے ہر چہار جانب آپ ﷺ کو تلاش کرنے والوں کو بھیجا اور جو شخص آپ ﷺ کو لے کر آئے یا آپ ﷺ کا پتہ بتائے اسکے لیئے سو اونٹ انعام مقرر کردیا۔ آپ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے لوگ غار کے دہانے تک پہنچ گئے اور اس کے پاس کھڑے ہوگئے مگر اللہ نے انکو آپ ﷺ سے پھیر دیا اور اپنے نبی ﷺ کو انکی چال سے محفوظ رکھا۔

اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی جانب دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے۔ رسول ﷺ نے انہیں جواب دیا: ''تمہارا ان دونوں کے بارے میں کیا گمان ہے جنکا تیسرا اللہ ہے۔''[1]

تین دن کے بعد آپ ﷺ کے پاس دونوں سواریوں کے ساتھ راستوں کا ماہر وہ رہبر [گائیڈ] آیا جس کو آپ ﷺ نے سابقہ منصوبہ بندی کے تحت کرایہ پہ لے رکھا تھا، پھر انہوں نے مدینہ کا رخ کیا۔ راستے میں آپ ﷺ ام معبد خزاعیہ کے خیمہ سے گزرے اور آپ ﷺ کی وجہ سے انہیں اور ان کی ایک بکری جس کے تھنوں میں ایک بوند بھی دودھ نہیں تھا برکت پہنچی۔ آپ ﷺ نے ان سے اسے دوہنے کی اجازت مانگی تو اسکے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو پلایا اور اپنے ہمراہ لوگوں کو بھی پلایا، پھر آپ ﷺ نے خود پیا

---

[1] رواہ البخاری: [۴۶۶۳]، مسلم: [۲۳۸۱]، ترمذی: [۳۰۹۶]، ابن حبان: [۶۲۷۸]، مسند احمد: [۱/۲۷]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ برتن میں دودھ دوھ کر بھر دیا اور وہاں سے چل دیے۔

سراقہ نے جب سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساحل کا راستہ اختیار کیا ہے، اور وہ قریش کے انعام کی لالچ میں تھا، تو فوراً اس نے اپنا نیزہ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑا۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بددعا کر دی، اسکے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کے سبب ہو رہا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان طلب کی اور یہ عہد کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش کرنے والوں کو واپس لوٹا دے گا، اس پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیئے دعا فرمائی تو گھوڑے کے دونوں پاؤں نکل گئے چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا اور جس سمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے تھے، اس سمت میں تلاش کرنے سے لوگوں کو روکنے لگا۔ انصار ہر روز مدینہ میں داخل ہونے والے راستہ کی جانب نکلتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا انتظار کرتے۔ پھر جب دھوپ زیادہ ہوتی تو اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے۔ جب پیر بارہ ربیع الاول نبوت کے تیرہویں سال کی ابتداء تھی کہ کسی پکارنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بارے میں پکارا تو ہر جگہ چیخ و پکار اور تکبیر سنائی دینے لگی اور سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیئے نکل پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے بستی قباء میں اترے اور وہاں مسجدِ قباء کی بنیاد رکھی، اور یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ چند دن قباء میں گزار کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے نکلے اور راستے میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہمراہ لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا جمعہ تھا۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنوبی طرف سے مدینہ میں داخل ہوئے اور اسی وقت سے اسکا نام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہر [مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] ہو گیا۔ مدینہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر بہت ہی خوشی و مسرت کا اظہار کیا اس طرح مدینہ طیبہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ بن گیا، جہاں سے اللہ کے پیغام کو ساری دنیا میں لوگوں تک پہنچایا جانے لگا۔

چوبیسویں مجلس

نبی ﷺ کا طرزِ زندگی

آپ ﷺ دنیا کی حقیقت اوراس کی سرعتِ زوال کو جانتے تھے، اس لیئے آپ ﷺ مسکینوں کی زندگی بسر کرتے نہ کہ مالدار اور بے جا اسراف کرنے والوں کی۔ آپ ﷺ جب بھوکے ہوتے تو صبر کرتے اور جب آسودہ ہوتے تو شکر کرتے۔

آپ ﷺ نے دنیا کے فتنہ کی خطرناکی اوراس کی لذتوں اور شہوتوں میں ڈوبنے سے اپنی امت کو منع فرمایا ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تمہیں اس کا جانشین بنانے والا ہے چنانچہ وہ دیکھے گا کہ تم کون سا عمل کرتے ہو اسلیئے دنیا سے عورتوں سے ڈرو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کے سبب (یا بارے میں) تھا۔''[1]

آپ ﷺ جانتے تھے کہ دنیا ان لوگوں کا گھر ہے جن کا کوئی گھر نہیں ان لوگوں کی جنت ہے جن کا کوئی حصہ نہیں اس لیئے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! زندگی تو درحقیقت آخرت کی زندگی ہے۔''[2]

اسی لیئے آپ ﷺ نے آخرت کو اپنا مقصد بنالیا تھا اور دنیاوی فکر سے اپنے دل کو فارغ

---

[1] رواہ مسلم: [۲۷۴۲]، ابن حبان: [۳۲۲۱]

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۶۴۱۴]، مسلم: [۱۸۰۵]، صحیح ترمذی: [۳۸۵۷]

کرر کھا تھا۔ آپ ﷺ کے پاس دنیا دوڑ کر آتی تو آپ ﷺ اس سے دور رہتے اور کہتے:

"مجھے دنیا سے کیا واسطہ میں تو دنیا میں اس مسافر کی مانند ہوں جس نے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ کر آرام، پھر وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔"[1]

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کی بیوی جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں فرماتے ہیں کہ:

"آپ ﷺ نے اپنی موت کے وقت نہ تو کوئی درہم و دینار چھوڑا، نہ کوئی غلام ولونڈی اور نہ ہی کوئی چیز چھوڑی مگر وہ سفید خچر جس پر آپ ﷺ سوار ہوا کرتے تھے، اور اپنا اسلحہ اور وہ زمین جو آپ ﷺ نے مسافروں کے لیے صدقہ کر دی تھی۔"[2]

یہ مخلوق کے سردار [ان پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں] کا کل ترکہ ومیراث تھی۔ آپ ﷺ نے بادشاہت کو ٹھکرا دیا اور ایک بندہ ورسول ﷺ بننے کو ترجیح دی جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس بیٹھے اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ایک فرشتہ اتر رہا ہے، جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا: "یہ فرشتہ جب سے پیدا کیا گیا ہے، اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں نازل ہوا۔" جب وہ اترا تو اس نے کہا: "اے محمد ﷺ! مجھے تمہارے رب نے تمہاری طرف یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ کیا میں آپ ﷺ کو بادشاہ بنادوں یا بندہ اور رسول ﷺ؟" تو جبرائیل علیہ السلام نے ان سے فرمایا: "اے محمد ﷺ! اپنے رب کے لئے تواضع ونرمی اختیار کیجئے" تو آپ ﷺ نے

---

[1] صحیح ترمذی للالبانی: [۲۳۷۷] نے روایت کر کے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ معجم طبرانی اوسط: [۹/ ۱۲۲]، وصححہ الالبانی فی صحیح الجامع: [۵۶۶۸]، مستدرک حاکم: [۵/ ۴۴۰]

[2] رواہ البخاری: [۲۷۳۹]، صحیح النسائی: [۳۵۹۷]، المحلی: [۹/ ۱۸۱]

فرمایا: ”نہیں! بلکہ میں بندہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بننا چاہتا ہوں۔“ [1]

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تواضع وزہد اور پاکدامنی پر مبنی تھی جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور میرے گھر میں کھانے کے لیئے ایک الماری میں جَو کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ میں نے اس میں سے کچھ کھایا یہاں تک کہ طویل مدت ہوگئی تو میں نے اسے ناپ دیا تو وہ (بھی) ختم ہوگئے۔“ [2]

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر کرتے ہوئے کہ لوگوں نے کس طرح دنیاوی ساز وسامان جمع کر لیئے ہیں، فرمایا:

”میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن بھر بھوک سے سکڑتے اور پیچ وتاب کھاتے رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا پیٹ بھرنے کے لیئے ردی کھجور تک نہیں پاتے تھے۔“ [3]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے اللہ کے راستے میں ڈرایا گیا، جبکہ دوسرے کسی کو کوئی ڈر نہیں۔ اور مجھے اللہ کے راستے میں تکلیف پہنچائی گئی جبکہ دوسرے کسی کو اس طرح کی تکلیف نہیں پہنچائی گئی اور مجھ پر ایک مہینہ ایسا بھی گزرا ہے کہ میرے لیئے اور بلال کے لیئے کھانے کا کوئی سامان نہ تھا، مگر اتنا کہ جتنا بلال کی بغل میں

---

[1] ابن حبان: [۶۳۶۵] نے روایت کی ہے اور البانی نے اسے: [صحیح الترغیب: [۳۲۸۰]، [الصحیحہ: ۳/۳] میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مسند احمد: [۱۲/۱۴۳]، وصححہ احمد شاکر

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۶۴۵۱]، مسلم: [۲۹۷۳]، صحیح ابن ماجہ: [۲۷۱۷]، معجم طبرانی اوسط: [۷/۹۴]

[3] رواہ مسلم: ۲۹۷۷]، صحیح ابن ماجہ: [۳۳۶۲]، ابن حبان: [۶۳۴۲]، مسند احمد: [۱/۹۲]، مختصر الشمائل: [۱۱۰]، صحیح ترمذی: [۲۳۷۲]

چھپایا جاسکے۔'' [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار کئی کئی راتیں یوں گذارتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بھوکے ہوتے، شام کا کھانا نہیں پاتے تھے اور اکثر وہ جَو کی روٹی پر اکتفا کرتے تھے۔'' [2]

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستر خوان پر کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ وفات پاگئے اور نہ ہی نرم و باریک خستہ روٹی کھائی یہاں تک کہ وفات ہوگئی۔'' [3]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر بیٹھتے اور اسی پر سوتے تھے جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر تشریف فرما تھے، عمر رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں بیٹھ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک پر صرف ازار [تہبند] تھی، اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، اور چٹائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر پڑے ہوئے تھے، اور جَو کی ایک مٹھی تھی جو تقریباً ایک صاع کے برابر تھی اور کمرے کے ایک گوشہ میں چنے جیسے دانوں کی معمولی سی مقدار تھی اور ایک چمڑا لٹکا ہوا دیکھا تو میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روتے دیکھ کر فرمایا: ''اے

---

[1] صحیح ترمذی: [۲۴۷۲] نے روایت کیا اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ مختصر الشمائل: [۱۱۶]، وصححہ، صحیح الجامع: [۵۱۲۵]

[2] ترمذی نے روایت کر کے اسے حسن قرار دیا ہے۔ صحیح الترغیب: [۳۲۶۴]

[3] رواہ البخاری: [۶۴۵۰]

عمر رضی اللہ عنہ! تمہیں کس چیز نے رلا دیا؟'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں کیوں نہ روؤں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں اس چٹائی کے نشان پڑ چکے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس الماری میں جو کچھ ہے اسے میں دیکھ ہی رہا ہوں جبکہ قیصر و کسریٰ نہروں اور پھلوں میں دادِ عیش دے رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور برگزیدہ ہوتے ہوئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسطرح کی حالت ہے'' تو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے خطاب کے بیٹے! کیا تم اس بات سے نہیں خوش ہوتے کہ ہمارے لیئے آخرت ہے اور انکے لیئے دنیا؟۔'' [1]

[1] ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور منذری نے [الترغیب والترھیب: ۴/ ۱۷۵ میں] اسکی تصحیح فرمائی ہے، نیز دیکھیں بخاری: [۴۹۱۳]، مسلم: [۱۴۷۹]، صحیح ابن حبان: [۴۱۸۸]

پچیسویں مجلس

سلطنت کی تشکیل کے اصول وضوابط

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو اہالی مدینہ نے نہایت پرتپاک انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کے جس گھر سے بھی گزرتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل کو پکڑ کر اپنے پاس اترنے کو کہتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے معذرت کر دیتے اور فرماتے کہ:

''اسے چھوڑ دو یہ مامور ہے یعنی حکمِ الٰہی ہی سے جہاں چاہے گی ٹھہرے گی۔''

تو اونٹنی برابر چلتی رہی یہاں تک کہ مسجدِ نبوی کی جگہ پر پہنچ کر بیٹھ گئی، پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور تھوڑی دیر چلی پھر دوبارہ پہلی جگہ واپس آ کر بیٹھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنونجار میں اپنے ننھیال کے پاس اترے اور فرمایا:

''ہمارے اہل میں کس کا گھر سب سے زیادہ قریب ہے؟'' تو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما ہوئے۔''

مدینہ آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سب سے پہلا قدم اٹھایا وہ مسجدِ نبوی کی تعمیر تھی اس کے لیے اسی جگہ کا انتخاب کیا گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھی تھی، یہ دو یتیم بچوں کی زمین تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے خرید لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفسِ نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک ہوئے۔ پھر مسجد کے ہی پہلو میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے کمرے بنائے گئے۔ جب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے بن کر تیار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کو چھوڑ کر ان

کمروں میں منتقل ہو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کو مشروع کیا تا کہ لوگ نماز کے وقت اکٹھے ہو سکیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخات (اسلامی بھائی چارہ) کروایا۔ وہ کل نوے آدمی تھے، نصف مہاجرین اور نصف انصار میں سے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے درمیان مواسات وہمدردی پر مؤاخات و بھائی چارہ کرایا اور یہ کہ مرنے کے بعد ذوی الارحام واہلِ قرابت کی بجائے وہی آپس میں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔ توارث کا یہ حکم غزوۂ بدر تک باقی رہا، پھر جب اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ [1]

''اور رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم میں۔''

تو اخوت کو برقرار رکھتے ہوئے وراثت کو قرابت داروں کے ساتھ مختص کر دیا گیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے جو یہودی تھے ان سے صلح کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کے مابین عہد نامہ لکھا گیا، انکے عالم عبداللہ بن سلام نے پہل کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا جبکہ انکے عام لوگ کفر پر ہی باقی رہے۔ [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے باشندوں مہاجرین وانصار اور یہودیوں کے درمیان تعلقات کو منظم فرمایا اور بعض سیرت کی کتابوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ انکے مابین ایک وثیقہ (دستاویز) لکھا گیا جس کی منجملہ دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

❖ انصار اور مہاجرین دوسرے لوگوں کے علاوہ الگ سے ایک امت ہیں۔

❖ مومنین اپنے مابین کسی بے بس و مجبور شخص کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ

---

[1] سورۃ الاحزاب: [۶]

[2] زاد المعاد: [۳/ ۶۳-۶۵]

معروف طریقے پر اسکی مدد کریں گے۔

❖ اگر مومنوں میں سے کسی نے انکے درمیان ظلم وزیادتی یا گناہ وفساد اور عداوت ودشمنی کی تو سارے مومن متقی لوگ اسکے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے، اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

❖ کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کیوجہ سے قتل نہیں کریگا، اور مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد نہیں کریگا۔

❖ اللہ کی پناہ ایک ہے، لوگوں میں سے ایک ادنیٰ شخص کی پناہ کا بھی مکمل اعتبار کیا جائیگا اور مومنین دیگر لوگوں کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کے دوست وساتھی ہیں۔

❖ یہود میں سے جو ہمارے تابع ہیں، انکی مدد کی جائیگی اور وہ دیگر مسلمانوں کی طرح ہیں، ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائیگا اور نہ انکے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

❖ تمہارا کتنا بھی کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، اسے اللہ اور محمد ﷺ ہی کی طرف لوٹایا جائیگا۔

❖ بنی عوف کے یہود، مومنوں کے ساتھ ایک قوم ہیں، یہودیوں کے لیئے انکا دین اور مسلمانوں کے لیئے انکا دین، خود ان کا بھی وہی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی مگر جو اپنے نفس پر خود ظلم کرے اور گناہ کرے تو وہ اپنی ذات اور اہلِ خانہ کو ہی تباہی میں ڈالے گا۔

❖ یہودیوں کے رازدار خود انہی کی طرح ہیں، ان میں سے کوئی نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جائیگا۔

❖ پڑوسی بھی خود ہمارے نفس کی ہی طرح ہے، اسے کوئی تکلیف وگناہ نہیں پہنچایا جائیگا۔

❖ کسی اجنبی کو پناہ نہیں دی جائیگی مگر وہاں کے باشندوں کے حکم سے۔

اور ان کے علاوہ اس معاہدہ کی دیگر دفعات بھی تھیں جنہوں نے مدینہ میں پائے جانے

والے گروہوں کے درمیان آپسی رہن سہن کے اصول وضوابط متعین کیئے اور اس معاہدے نے اسلامی امت کے مفہوم کی تعیین کی جس میں تمام مسلمان شامل ہیں اور اسلامی سلطنت کی تحدید کی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مدینہ ہے اور سب سے اعلیٰ اتھارٹی و مرجع اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے قرار دیا، خاص طور پر اختلاف و نزاع کے وقت۔

اس دستاویز نے تمام آزادیوں کی حفاظت کی جیسے عقیدہ وعبادات اور ہر شخص کے لیئے امن وامان کے حق کی آزادی وغیرہ، نیز انسانیت کے مابین عدل وبرابری کو قائم رکھا۔

اس دستاویز کی دفعات میں غور وفکر سے کام لینے والا بہت سارے تہذیبی اصول پائے گا جنکا آج انسانی حقوق کا اہتمام کرنے والے مطالبہ کرتے پھرتے ہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پہلے وہ شخص ہیں، جنہوں نے ان تمام حقوق کے خدوخال متعین کیئے اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے قواعد کی نظم بندی فرمائی اور یہی (حدِ فاصل) بنیادی فرق ہے اس منصفانہ حقوق انسانی اور ان حقوق کے درمیان جنکی طرف عالمی تنظیمیں بلاتی ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ حقوق ہیں جبکہ یہ درحقیقت حق تلفی، ظلم وعدوان، انسانی شرافت کی بے حرمتی وتوہین اور بعض جماعتوں کی حق تلفی کرکے دیگر بعض کی جانبداری ہے۔[1]

---

[1] UNO کی قراردادیں اور کاروائیاں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں [ابوعدنان]

چھبیسویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت وبہادری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے، اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تن تنہا کفر کے خلاف کھڑے ہوکر توحید اور اللہ کی خالص عبادت کرنے کی دعوت دینے لگے، چنانچہ تمام کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درپے ہوگئے، اور ایک ہی کمان سے سبھی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی اور سخت تکلیفیں پہنچائیں، اور بارہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قتل کے ناپاک سازش بھی کی لیکن یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوفزدہ نہ کرسکی، اور ایک پل کے لیئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرم گوشہ اختیار نہ کیا بلکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت پر اور زیادہ مصر رہے اور اپنے پاس موجود حق پر اور مضبوطی سے قائم ہوگئے اور نہایت ہی جرأت وبلندی کے ساتھ سر اٹھا کر زمین کے طاغوتوں کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ کی قسم! اگر یہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اپنے اس کام سے باز آجاؤں تو ایسا کبھی نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اللہ اس امر (دین) کو غالب کردے یا اس کی خاطر میری جان چلی جائے۔“ [1]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بہتر تھے، اور سب سے زیادہ سخی تھے، اور سب سے بہادر تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اہلِ مدینہ گھبرا گئے اور لوگ

[1] یہ روایت بڑی مشہور لیکن ضعیف ہے۔ دیکھیے السلسلۃ الضعیفہ للالبانی: [۹۰۹] وتخریج فقہ السیرہ للالبانی: [۱۰۹] (ابوعدنان)

خوفناک آواز کی طرف چل پڑے تو رسول ﷺ کو ادھر سے واپس آتے ہوئے پایا جو آواز کی طرف پہلے ہی جا چکے تھے اور آپ ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے بے زین کسے گھوڑے پر سوار اور گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے: ''ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔'' [1]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسمیں بہت سے فوائد ہیں جن میں سے ایک: آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری کا بیان ہے، وہ اس طرح کہ آپ ﷺ تن تنہا اور لوگوں سے پہلے دشمن کی طرف جلدی سے نکل گئے اور لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی صورتِ حال کا پتہ لگا کر واپس آ گئے۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ہم خندق کے دن گڑھا (خندق) کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان آڑے آ گئی تو لوگ آپ ﷺ کو لے کر آئے اور کہنے لگے کہ یہ سخت چٹان کھدائی کے دوران آڑے آ گئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں اس میں اترتا ہوں'' پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے اور ہم نے تین دن سے کچھ نہیں چکھا تھا، آپ ﷺ نے کدال لی اور چٹان پر ماری تو وہ بھر بھرے تودے میں بدل گیا۔'' [2]

یعنی یہ سخت پتھر یا چٹان جسکو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین توڑ نہ سکے، آپ ﷺ نے اس پر اتنی سخت چوٹ ماری کہ یہ ٹوٹ کر بکھرے ہوئے ریت کے ٹیلے کی مانند ہو گئی۔ یہ آپ ﷺ کی طاقت وقوت کی دلیل ہے۔

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۲۹۰۸، ۶۰۳۳]، مسلم: [۲۳۰۷]، صحیح ترمذی: [۱۶۸۷]، ابن حبان: [۶۳۶۹]، صحیح ابن ماجہ: [۲۲۵۴]

[2] رواہ البخاری: [۴۱۰۱]

آپ ﷺ شجاعت و بہادری اور سختیوں کے وقت ثابت قدمی کے ایسے پہاڑ تھے جسکا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، اور اسکی مقدار کی بلندی کو صرف وہی ذات جان سکتی ہے جس نے آپ ﷺ کو عظیم قوت وطاقت بخشی ہے یعنی رب العزت۔

اسی لیئے آپ ﷺ اپنی پوری جہادی زندگی میں جن لڑائیوں میں شریک رہے ان میں کبھی بھی یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ اپنی جگہ سے ایک قدم یا ایک انگشت بھی پیچھے ہٹنے کا دل میں خیال لائے ہوں یہی وہ چیز ہے جس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین آپ ﷺ کو محبوب اور قابلِ اقتدا قائد بنا دیا جسکے اشاروں پر ہر چھوٹا بڑا دوڑ پڑتا تھا، صرف اس وجہ سے نہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ تھے بلکہ وہ آپ ﷺ میں ایسی شجاعت و بہادری کا مشاہدہ کر چکے تھے جس کے مقابلے میں اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے جبکہ انکے مابین بھی ایسے بہادر موجود تھے جنکی شجاعت و بہادری کی مثال دی جاتی تھی۔ [۱]

اور اسی سلسلہ میں علی رضی اللہ عنہ ابنِ ابی طالب فرماتے ہیں:

> ''جب لڑائی سرگرم ہو جاتی اور لوگ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے لگتے تو ہم آپ ﷺ کے ذریعے بچاؤ طلب کیا کرتے تھے، اور ہم میں سے اسوقت آپ ﷺ سے زیادہ دشمن سے کوئی قریب نہ ہوتا'' [۲]

اور علی رضی اللہ عنہ کا ہی فرمان ہے:

> ''ہم نے بدر کے دن دیکھا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی آڑ لیتے تھے اور ہمارے مابین سے آپ ﷺ دشمن کے سب سے زیادہ قریب تھے، اس دن آپ سب سے زیادہ طاقتور تھے۔'' [۳]

---

[۱] محمد ﷺ الانسان الکامل صفحہ: [۱۸۸۔۱۸۹]

[۲] احمد: [۲ / ۲۴۳] صححہ احمد شاکر، صحیح مسلم: [۱۷۷۶] ونسائی۔

[۳] احمد: [۲ / ۶۴] نے روایت کیا ہے اور علامہ احمد شاکر نے صحیح قرار دیا ہے۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر ابی بن خلف ملعون و مردود اپنے گھوڑے کو لیکر آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے بڑھا اور کہنے لگا:

''اے محمد ﷺ! یا تو تو رہے گا یا میں رہوں گا، لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم میں سے کوئی اس پر وار کرے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے آنے دو'' جب وہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے حارث بن صمۃ سے نیزہ لیا اور اسے جھٹکا دیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ادھر ادھر اڑ گئے پھر آپ ﷺ نے اسکو سامنے رکھ کر اسکی گردن میں ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا پھر وہ قریش کی طرف واپس چلا گیا اور کہنے لگا: ''محمد ﷺ نے مجھے قتل کر دیا'' ان لوگوں نے کہا: ''تمہیں کوئی خاص چوٹ نہیں لگی ہے'' اس نے کہا: ''اگر وہ چوٹ (جو مجھے پہنچی ہے) تمام لوگوں کو پہنچتی تو انہیں قتل کر دیتی'' کیا اس نے کہا نہیں تھا کہ: ''میں تجھے قتل کروں گا'' اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتا تو بھی میری جان چلی جاتی، چنانچہ وہ مکہ لوٹتے ہوئے راستے میں ہی مر گیا۔'' [1]

اور غزوۂ حنین میں جب بنی ہوازن نے چپکے سے تیر برسانا شروع کر دیا تو مسلمان بھاگ نکلے اور نبی ﷺ دشمنوں کے بالمقابل ڈٹے رہے اور آپ ﷺ کہہ رہے تھے:

''میں نبی ہوں جھوٹا نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔'' [2]

اے اللہ! درود و سلام نازل فرما اپنے نبی و حبیب محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ساتھ ہمیں بھی اپنے کرامت کے گھر میں جمع کر اور آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے جامِ کوثر کا پینا نصیب فرما، ایسا پینا کہ اسکے بعد کبھی پیاس کی حاجت محسوس نہ ہو۔ آمین!

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: [۳/ ۱۷۴]

[2] انظر: أخلاق النبي ﷺ في القرآن والسنة: [۳/ ۱۳۴]

ستائیسویں مجلس

غزوۂ بدر الکبریٰ

رمضان 2 ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا۔ اسکا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ شام سے واپس آنے والے قریش کے ایک بڑے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں تین سو دس آدمیوں کو لے کر نکلے، اور ابوسفیان جو نہایت ہی ہوشیار و زیرک تھا، اس قافلہ کی قیادت کر رہا تھا۔

اسے جو بھی ملتا اس سے مسلمانوں کی نقل و حرکت کے سلسلے میں پوچھتا رہتا یہاں تک کہ اسے مسلمانوں کے مدینہ سے نکلنے کا پتہ چل گیا، اور وہ بدر سے قریب ہی تھا تو اس نے قافلہ کے رخ کو مغربی سمت ساحل کی طرف موڑ دیا اور بدر کے پر خطر راستے کو چھوڑ دیا۔ پھر اس نے مکہ میں ایک آدمی کو یہ خبر دینے کے لیئے بھیجا کہ انکے اموال خطرے میں ہیں اور مسلمان قافلہ پر حملہ کے لیئے تیار ہیں۔

جب اہلِ مکہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ ابوسفیان کی مدد کیلئے تیار ہو گئے، اور ان کے سرداروں میں سے صرف ابولہب پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے اردگرد کے قبائل کو بھی جمع کر لیا، اور قریش میں سے صرف بنو عدی شامل نہ ہوئے۔ جب یہ لشکر جحفہ کے مقام پر پہنچا تو انہیں ابوسفیان کے بچ نکلنے کا علم ہو گیا، اور یہ کہ وہ ان سے مکہ واپس جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔

لوگوں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا مگر ابوجہل نے انہیں قتال کے لیئے سفر کو جاری رکھنے پر برانگیختہ کیا تو بنو زہرہ جو تین سو کی تعداد میں تھے، واپس ہو گئے اور باقی لوگوں نے سفر کو جاری رکھا اور وہ ایک ہزار تھے یہاں تک کہ انہوں نے بدر سے محیط پہاڑی کے پیچھے ایک وسیع مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

بہرحال رسول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا تو ان میں جنگ کرنے کا جذبہ اور اللہ کے راستہ میں قربان ہو جانے کے لیئے عزمِ مصمم پایا۔ اس پر آپ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ ﷺ نے ان سے کہا:

''چلو اور خوش ہو جاؤ اسلیئے کہ اللہ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کے حاصل [فاتح] ہونے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! میں ابھی ہی سے اس مشرک قوم کی ہلاکتوں کے مقامات کو دیکھ رہا ہوں۔''

آپ ﷺ آگے بڑھے اور بدر کے سب سے قریبی چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ آگے بڑھیں اور دشمن کے سب سے قریب چشمہ کے پاس ٹھہریں تا کہ مسلمان ایک حوض میں اپنے لیئے پانی جمع کر لیں گے اور بقیہ چشموں کو پاٹ دیں گے، اس طرح دشمن کے لیئے پانی کا ذریعہ نہیں رہ جائے گا۔ آپ ﷺ نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق ہی کیا۔

آپ ﷺ نے سترہ رمضان جمعہ کی رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں گذاری آپ ﷺ اللہ سے رو رو کر دشمن پر غلبہ و نصرت کے لیئے دعا کرتے رہے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں علی رضی اللہ عنہ ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ:

''ہم نے دیکھا کہ تمام لوگ سو گئے تھے سوائے رسول ﷺ کے جو ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔''

اور اسی مسند احمد ہی کی روایت میں ہے کہ:

''بدر کی رات کو ہم لوگوں پر بارش کی پھوار پہنچنی شروع ہوئی تو ہم لوگ درختوں اور ڈھالوں کے نیچے ہو گئے تا کہ پانی سے بچ سکیں اور رسول ﷺ نے اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے رات گذاری آپ ﷺ کہتے تھے: ''اگر یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو آج کے بعد

کبھی تیری عبادت نہ ہوگی"[1] اور جب فجر طلوع ہوگئی تو آپ ﷺ نے پکارا: "نماز، اے اللہ کے بندو!" تو لوگ درختوں اور ڈھالوں کے نیچے سے آئے اور رسول ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور قتال پر ابھارا۔"

اللہ رب العالمین نے اپنے نبی ﷺ اور مومنین کی اپنی طرف سے اور اپنے لشکر (فرشتوں) کے ذریعے مدد فرمائی جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾[2]

"اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگاتار چلے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لیے کی کہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار حاصل ہو جائے اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ ﴾[3]

"جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی تھی جب

---

[1] صحیح مسلم: [۱۷۶۳]، مسند احمد وصححہ احمد شاکر: [۱/۱۱۸]، صحیح دلائل النبوۃ للوادعی: [۳۱۱]، ابن حبان: [۴۷۹۳]، صحیح ترمذی: [۳۰۸۱]، صحیح ابی داود: [۲۷۵۱]

[2] سورۃ الانفال: [۹۔۱۰]

[3] سورۃ آل عمران: [۱۲۳]

کہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے، اس لیئے اللہ ہی سے ڈرو! (نہ کسی اور سے) تا کہ تمہیں شکر گزاری کی توفیق ہو۔"

اور اللہ نے فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ﴾[1]

"سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی۔"

پھر لڑائی مبارزت [فرداً فرداً مقابلوں] کے ذریعے شروع ہوئی تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو قتل کیا اور علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور عتبہ بن ربیعہ مشرکین میں سے زخم خوردہ ہو گیا اور مسلمانوں میں عبیدۃ بن حارث رضی اللہ عنہ کو زخم پہنچا۔

پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی اور میدانِ کارزار گرم ہو گیا۔ اللہ نے مسلمانوں کی فرشتوں کے ذریعے مدد فرمائی جو کافروں کو قتل کر رہے تھے اور مومنوں کے دلوں کو تسلی واطمینان دلا رہے تھے، اور ابھی گھڑی بھر ہی ہوئی تھی کہ مشرکوں کی شکست ہوگئی اور وہ راہِ فرار اختیار کرنے لگے۔ مسلمان انکا تعاقب کر کے انکو قتل کرنے لگے، اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔ اس طرح سے کافروں کے ستر لوگ قتل ہوئے جن میں سے: عتبہ، شیبہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور اسکا بیٹا علی اور حنظلہ بن ابی سفیان اور ابو جہل بن ہشام وغیرہ تھے اور اسی طرح ستر لوگ قید کیئے گئے۔

غزوۂ بدر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مسلمانوں کی شوکت وقوت بڑھ گئی اور مدینہ اور اسکے اردگرد میں انکا رعب ودبدبہ چھا گیا اور ان کا اللہ پر بھروسہ مضبوط ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ اپنے بندوں کی کافروں کے خلاف مدد کرتا ہے اگرچہ انکی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، اور کافروں کی تعداد ان سے بڑھکر ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] سورۃ الانفال: [۱۷]

اسی طرح غزوۂ بدر سے یہ نتیجہ بھی سامنے آیا کہ مسلمانوں میں جنگی مہارتیں پروان چڑھ گئیں اور جنگ میں نئے نئے اسالیب و تکنیکس متعارف ہوئیں جیسے کرّوفر اور پینترا بدلنا، دشمن کی محاصرہ بندی، انہیں کمک واسبابِ قوت سے محروم کر دینا، مسلسل مقابلہ جاری رکھنا وغیرہ۔

اٹھائیسویں مجلس

غزوہ اُحد

شوال 3 ہجری میں اُحد کی جنگ پیش آئی، جب اللہ نے اشرافِ قریش کو غزوہ بدر میں ہلاک کر دیا اور قریش کو ایسی مصیبت لاحق ہوئی جس سے وہ کبھی دو چار نہ ہوئے تھے، تو قریش نے انتقام لینا اور اپنی کھوئی ہوئی ہیبت کو بحال کرنا چاہا، چنانچہ ابوسفیان نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنا اور لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس نے احابیش وحلفاء اور قریش کے تقریبا تین ہزار لوگوں کو جمع کر لیا اور اپنے ساتھ عورتوں کو بھی لیکر آیا تا کہ اس طرح سے وہ پلٹ کر بھاگ نہ سکیں بلکہ ان عورتوں کی طرف سے دفاع کریں پھر ان سب کے ساتھ مدینہ کی طرف متوجہ ہوا اور اُحد پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا کہ کیا انکے خلاف میدان میں نکلا جائے یا مدینہ ہی میں باقی رہا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے نہ نکلا جائے اور اسی میں قلعہ بند ہو جائیں پھر اگر کافر مدینہ میں داخل ہوں تو مسلمان مل کر ان سے جنگ کریں لیکن فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے یہ رائے دی کہ مدینہ سے باہر نکلا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن ایک ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ باہر نکلے راستے میں اُحد و مدینہ کے مابین عبد اللہ بن ابی منافق تقریبا تہائی لشکر کو لے کر واپس ہو گیا اور کہا کہ:

> "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری بات نہ مانی اور دوسروں کی مان لی لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سفر کو جاری رکھا یہاں تک کہ اُحد کی ایک گھاٹی کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ اپنی پشت کو اُحد کی جانب کر دیا اور لوگوں کو لڑائی سے روک دیا

یہاں تک کہ آپ ﷺ لڑنے کا حکم صادر کریں۔ جب ہفتہ کی صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے قتال کی تیاری کی اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد سات سو تھی جن میں پچاس گھڑسوار تھے۔"

تیر اندازوں پر جنکی تعداد پچاس تھی، عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور انہیں اور انکے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنے مرکز کو لازم پکڑے رہیں اس سے ہرگز نہ ہٹیں اگرچہ پرندے انہیں (بقیہ مسلمانوں کو) اچکنے لگ جائیں۔ وہ لوگ لشکر کے پیچھے تھے اور انہیں حکم دیا کہ مشرکوں پر تیر اندازی کرتے رہیں تاکہ وہ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کرسکیں۔

لڑائی شروع ہوئی اور شروع دن میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل رہا اور مشرکین شکست کھا کر بھاگنے لگے، یہاں تک کہ اپنی عورتوں سے جا ملے۔ جب تیر اندازوں نے مشرکوں کی شکست کو دیکھا تو اپنے اس مرکز کو چھوڑ دیا جس کی آپ ﷺ نے حفاظت کرنے کا حکم فرمایا تھا اور کہنے لگے:

"اے قوم کے لوگو! غنیمت، ان کے سردار نے انہیں رسول ﷺ کا فرمان یاد دلایا، لیکن انہوں نے اسکی طرف دھیان نہیں دیا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ اب مشرکین دوبارہ پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ چنانچہ وہ مورچے کو چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے کے لیۓ چلے گئے۔ ادھر مشرکین کے گھڑسوار دوبارہ لوٹے تو دیکھا کہ تیر اندازوں سے مورچہ خالی ہے، وہ اسکو پار کر کے وہاں قابض ہوگئے یہاں تک کہ ان کے دوسرے لوگ بھی آگئے اور مسلمانوں کو گھیر لیا اور اللہ نے مسلمانوں میں سے جس کو چاہا شہادت سے سرفراز فرمایا اور (باقی) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع ہوگئے یہاں تک کہ مشرکین آپ ﷺ تک پہنچ گئے اور آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو زخمی کردیا اور دائیں رباعی [سامنے والے دانت] کو بھی توڑ ڈالا اور آپ ﷺ

کے سر پر لگے خود کو چُور چُور کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سنگ باری کی [پتھر برسائے] یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلو کے بل گر پڑے اور ایک گڑھے میں گر گئے جسکو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کے لیئے تیار کر رکھا تھا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو پکڑ کر اٹھایا اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے گود میں لے لیا اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قتل کر دیئے گئے تو جھنڈا علی رضی اللہ عنہ کو دیدیا گیا۔"

خود کی دو کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں گھس گئی تھیں جنہیں ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے نکالا اور مالک بن سنان نے جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر لگے خون کو چوس لیا مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا چاہا مگر اللہ نے مسلمانوں کی جماعت میں سے تقریبا دس لوگوں کو انکے مابین حائل کر دیا، یہاں تک کہ وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ پھر طلحہ رضی اللہ عنہ نے تلوار چلانا شروع کیا یہاں تک کہ ان کافروں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کر دیا۔ اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیئے اپنی پیٹھ کو ڈھال بنا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہلتے اور اسی دن ایک چوٹ کے نتیجے میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ باہر نکل آئی، وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اسے اسکی جگہ لوٹا دیا۔ اس کے بعد ان کی دونوں آنکھوں میں یہی آنکھ سب سے خوبصورت لگتی تھی اور اس کی بینائی بھی زیادہ تیز تھی۔

اس وقت شیطان نے زور سے چیخ لگائی کہ:

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کر دیئے گئے تو یہ بات بہت سارے مسلمانوں کے دلوں کو لگ گئی اور اکثر نے راہِ فرار اختیار کر لی اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہے گا۔"

پس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور سب سے پہلے خود کے نیچے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے پہچانا تو انہوں نے زور سے پکارا:

''اے مسلمانوں کی جماعت! خوش ہو جاؤ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ، مسلمان ان کے پاس اکٹھے ہو گئے اور انکے ساتھ سب اس گھاٹی کے پاس آ گئے جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑاوٗ ڈالا تھا۔ان میں ابو بکر، عمر، علی اور حارث بن صمہ انصاری رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔''

جب وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن خلف کو ایک گھوڑے پر سوار آتے ہوئے پایا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لیئے آرہا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ایک نیزہ مارا جو اس کے گلے میں لگ گیا چنانچہ وہ شکست کھا کر اپنی قوم کے پاس لوٹ گیا پھر مکہ واپس جاتے ہوئے راستے میں مر گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرے سے خون کو دھویا اور زخم کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی اور حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔وہ اپنی بیوی سے جنابت کی حالت میں تھے جب انہوں نے جنگ کی منادی سنی تو غسل کرنے سے پہلے ہی نکل پڑے چنانچہ انہیں فرشتوں نے غسل دیا۔

مسلمانوں نے مشرکوں کے علمبردار کو قتل کر دیا اور اس جنگ میں ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنیہ رضی اللہ عنہا نے سخت لڑائی کا مظاہرہ کیا اور عمرو بن قمہ کی تلوار کی مار سے سخت زخمی ہو گئیں۔

مسلمانوں میں سے قتل ہونے والوں کی تعداد ستر سے کچھ زائد تھی اور مشرکوں میں سے تئیس لوگ قتل ہوئے۔قریش نے مسلمانوں کے شہیدوں کا بری طرح سے مُثلہ کیا اور مسلمانوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ [1]

---

[1] انظر: زاد المعاد: [۳/ ۱۹۲] وما بعدہا، ولباب الخیار فی سیرۃ المختار صفحہ: [۶۴]

انتیسویں مجلس

غزوۂ اُحد سے مستفاد دروس وحِکَم

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں غزوۂ اُحد سے حاصل ہونے والے بہت سارے دروس واسباق وحِکَم کو ذکر فرمایا ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

اول: مومنوں کو معصیت و پست ہمتی اور آپسی اختلافات کے برے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے اور یہ کہ جو انہیں ناکامی پہنچی ہے، وہ ان کی نافرمانی و معصیت کی نحوست ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٥٢﴾[1]

''اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی، اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا تو پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری

[1] سورۃ آل عمران: [۱۵۲]

لغزش سے درگزر فرما دیا اور ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔‘‘

جب انہوں نے رسول ﷺ کی معصیت اور پست ہمتی اور آپسی اختلاف کا انجام بد چکھ لیا تو اس کے بعد کافی محتاط اور بیدار ہو گئے۔

دوم: اللہ کی حکمت وسنت رسولوں علیہم السلام اور ان کے متبعین کے بارے میں یہی رہی ہے کہ کبھی انہیں کامیابی عطا کرتا ہے تو کبھی انکے دشمنوں کو، لیکن حسنِ عاقبت اور انجام خیر مومنوں ہی کا ہوتا ہے، کیوں کہ اگر ہمیشہ مومن ہی غالب ہوتے تو انکی صف میں مومن اور غیر مومن سب داخل ہو جاتے اور پھر ان میں سچے اور جھوٹے کی تمیز نہ ہو پاتی۔

سوم: سچے مومن کی جھوٹ پرست منافق سے تمیز ہو سکے کیونکہ جب اللہ نے مسلمانوں کو بدر کی جنگ میں غلبہ عطا کر دیا اور ان کے فتح کے چرچے ہونے لگے تو مسلمانوں کی صف میں ظاہری طور پر ایسے لوگ داخل ہو گئے جو درحقیقت باطن میں ان کے ساتھ نہیں تھے لہٰذا اللہ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ اپنے بندوں کو آزما کے مومنِ صادق اور منافق کے درمیان تمیز کر دے چنانچہ اس جنگ میں منافقوں نے اپنا سر نکالا اور کھل کر وہ بات کہہ دی جو وہ چھپائے ہوئے تھے اور اسطرح سے مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ خود ان کے اپنے گھروں میں بھی ان کے دشمن موجود ہیں اسلیئے ان کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار اور ان سے محتاط ہو گئے۔

چہارم: خوشی وغمی، کراہت ورضامندی، فتح وناکامی دونوں حالتوں میں اپنے دوستوں اور اپنے گروہ کی عبودیت کو جانچنا اور پرکھنا۔ اگر وہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت وعبودیت پر ثابت قدم رہتے ہیں تو حقیقت میں وہی اللہ کے بندے ہیں۔

پنجم: اگر رب العالمین ہمیشہ انہیں فتح وکامیابی سے نوازتا اور انہیں ہر موڑ پر ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا کرتا رہے تو انکے نفوس سرکشی کا شکار ہو جائیں گے اور ان میں کبر ونخوت اور غرور وگھمنڈ پیدا ہو جائے گا لہٰذا اسکے بندے خوشی وغمی اور تنگ دستی وفراخی کے ذریعے ہی صحیح رہ سکتے ہیں۔

ششم: جب اللہ نے انہیں مغلوبیت اور شکست وریخت کے ذریعے آزمایا تو انہوں نے

خاکساری وانکساری کا مظاہرہ کیا اور اسکے تابع فرمان ہو گئے جس کی وجہ سے وہ اس کی طرف سے عزت ونصرت کے مستحق ہوئے۔

ہفتم: اللہ رب العالمین نے اپنے مومن بندوں کے لیئے کرامت کے گھر جنت میں ایسی منازل (مرتبے ومقامات) تیار کرر کھے ہیں جہاں تک انکے اعمال کی رسائی نہیں ہے بلکہ محنت وآزمائش ہی کے ذریعے ہی وہ وہاں تک پہنچ سکتے ہیں لہٰذا اللہ نے انکے لیئے اپنی آزمائش وابتلاء کا ایک ایسا سبب مہیا کر دیا جسکے ذریعے اس مقام ومرتبہ تک پہنچ سکیں۔

ہشتم: نفوس دائمی عافیت ،فتح ونصرت اور مالداری سے سرکشی اور دنیا کی طرف میلان میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جو اللہ اور آخرت کے گھر کی طرف جانے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، اسلیئے جب اللہ نے ان نفوس کو دارِ آخرت کی عزت وکرامت سے نوازنا چاہا تو ان نفوس کے لیئے آزمائش وامتحان مہیا کر دیا جو اس بیماری کا مداوا ثابت ہو سکیں، اور یہ ابتلاء وآزمائش اس ڈاکٹر کے مانند ہیں جو بیمار شخص کو ناپسندیدہ دواء پلاتا ہے اور اسکے جسم سے درد وتکلیف پہنچانے والی رگ کو کاٹ دیتا ہے تاکہ اس سے بیماری کا خاتمہ ہو سکے۔ اگر اسے اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو اس پر خواہشِ نفس غالب آجائے گی یہاں تک کہ اسی میں وہ ہلاک ہو جائے گا۔

نہم: شہادت اللہ کے نزدیک اسکے مقرب بندوں کے مراتب میں سب سے بالاتر درجہ ہے اور شہداء اللہ کے چہیتے اور خصوصی بندوں میں سے مانے جاتے ہیں اور صدیقیت کے بعد شہادت ہی کا درجہ آتا ہے، اور شہادت کو حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے مگر ان اسباب کے مقدر کرنے کے ذریعے جو شہادت تک دشمن کے تسلّط کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔

دسواں: اللہ تعالیٰ جب اپنے دشمنوں کو ہلاک اور نیست ونابود کرنا چاہتا ہے تو انکے لیئے ایسے اسباب پیدا فرماتا ہے جو انکی ہلاکت کو واجب کر دیتے ہیں اور کفر کے بعد اس کا سب سے بڑا سبب انکی ظلم وسرکشی، اللہ کے بندوں کی ایذارسانی میں حد سے گذر جانا، ان سے جنگ

وجدال کرنا اور ان پر تسلّط جمانا ہے، چنانچہ اس کے ذریعے اللہ رب العالمین کے اولیاء گناہوں اور برائیوں سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں اور اس کے دشمن اپنی ہلاکت وتباہی کے اسباب میں اور بڑھ جاتے ہیں۔[1]

[1] زاد المعاد: [۳/۲۲۲۔۲۱۸] باختصار

تیسویں مجلس

نبی ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ رفق ونرمی...①

آپ ﷺ اپنی امت کے ساتھ بہت نرمی وآسانی کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ کو جب بھی دو معاملوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ امت پر آسانی کے پیشِ نظر اور ان سے مشقت وتنگی کو دور کرنے کی خاطر ان میں سے سب سے آسان کو ہی اختیار کرتے تھے، اسی لیئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا اور مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے بلکہ آسانی پیدا کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔'' [1]

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ رفیق ومہربان ہے، اور نرمی کو پسند کرتا ہے، اور نرمی ورفق پر جو عطا کرتا ہے وہ سختی اور تشدّد پر نہیں دیتا۔'' [2]

اور آپ ﷺ کا ہی فرمان ہے:

''جس چیز میں نرمی وآسانی برتی جاتی ہے اس کا معاملہ سنور جاتا ہے اور جس چیز سے نرمی وآسانی ختم کردی جاتی ہے وہ عیب دار ہو جاتی ہے۔'' [3]

اور اللہ رب العالمین نے خود آپ ﷺ کو رحمت وشفقت سے متصف کیا جیسا کہ اللہ

---

[1] رواہ مسلم: [۱۴۷۸]

[2] صحیح مسلم: [۲۵۹۳] ابوداود: [۴۸۰۷] نے روایت کیا اور البانی نے [صحیح الجامع: ۱۹۲۱: ۷ میں] صحیح قرار دیا ہے، نیز دیکھیئے: ابن حبان: [۵۵۲]، مسند احمد: [۲/ ۱۷۳]، مسند بزار: [۱۳/ ۴۰۵]

[3] رواہ مسلم، صحیح ابی داود: [۲۴۷۸]، صحیح الجامع: [۵۶۵۴]

تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ ﴾ [1]

''تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرّت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے ساتھ رفق و مہربانی ہی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہلاک ہو گیا۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کس چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا؟ اس نے کہا کہ: میں رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو ایک غلام آزاد کر سکتا ہے؟''

اس نے کہا: ''نہیں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تو مسلسل دو مہینے روزے رکھ سکتا ہے؟''

اس نے کہا: ''نہیں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟''

اس نے کہا: ''نہیں!''

راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ بیٹھ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کھجور کی ایک ٹوکری آئی

---

[1] سورۃ التوبہ: [۱۲۸]

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اسے صدقہ کردو''

اس آدمی نے کہا: ''کیا اپنے سے بھی زیادہ فقیر پر صدقہ کردوں؟ اللہ کی قسم! مدینہ کے دونوں لابوں (لال وکالے پتھروں) کے درمیان مجھ سے زیادہ کوئی ضرورت مند نہیں''۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسے لے جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو کھلا دو۔''[1]

دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گناہگار شخص کے ساتھ جس نے نہارِ رمضان میں بیوی سے جماع کا ارتکاب کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی نرمی ومہربانی سے پیش آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اسکے ساتھ نرمی کرتے رہے اور سخت سزا سے کم سزا کی طرف آتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ چیز دیدی جس سے اسکے گناہ کا کفارہ ہوجائے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی حاجت ومحتاجی کو سامنے رکھتے ہوئے اسے اس عطیہ کو لیکر اپنے اہلِ خانہ میں اس کو تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ یہ رفقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کتنی کریم تھی اور یہ شفقتِ محمدی کتنی عظیم تھی۔

معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دریں اثناء کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، قوم میں سے ایک آدمی نے چھینک ماری تو میں نے کہا: ''یَرْحَمُکَ اللّٰہ'' (اللہ تم پر رحم فرمائے) قوم کے لوگ مجھے ترچھی نظروں سے دیکھنے لگے تو میں نے کہا: ہائے تمہاری مائیں تمہیں گم پائیں! کیا بات ہے کہ تم مجھے گھور کر دیکھ رہے ہو؟ اب وہ لوگ اپنے ہاتھوں کو رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے

---

[1] متفق علیہ، بخاری: [۶۷۱۰]، صحیح مسلم: [۱۱۱۱]، بیہقی: [۷/ ۳۹۳]، صحیح ترمذی: [۷۲۴]

انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنے کی کوشش کررہے ہیں تو میں خاموش ہوگیا۔ جب آپ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے بڑھ کر آپ ﷺ سے قبل اور بعد کوئی معلم نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! نہ تو مجھے ڈانٹا نہ ہی مارا اور نہ ہی گالی دی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک ان نمازوں میں لوگوں کی بات چیت میں سے کوئی بھی چیز درست نہیں بلکہ یہ تسبیح وتکبیر اور قرآنِ کریم کی تلاوت کے لیئے بنائی گئی ہیں۔''[1]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس میں آپ ﷺ کے عظیم اخلاق کی دلیل ہے جس کی رب العالمین نے شہادت دی ہے، اور جاہلوں کے ساتھ مہربانی اور ان کے ساتھ شفقت ونرمی کرنے کی دلیل ہے۔ اسی طرح اس میں جاہلوں کے ساتھ نرمی کرنے اور انہیں بہترین تعلیم دینے اور ان کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آنے اور درست چیز کو انکے ذہن کے قریب کرنے میں آپ ﷺ کی ان تمام عادتوں کو اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔''

آپ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ نرمی ہی کی مثالوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں فرضیت کے خوف سے مسلسل روزہ یعنی صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ شفقت ونرمی کی مثالوں میں سے رمضان میں تین رات یا اس سے زیادہ تراویح کی نماز جماعت سے پڑھا کر رک جانا ہے تاکہ امتیوں پر فرض نہ ہو جائے (اور پھر ان پر شاق گزرے۔)

اسی طرح آپ ﷺ کی امتیوں کے ساتھ نرمی ہی کی مثالوں میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ

[1] رواہ مسلم: [۵۳۷]، صحیح نسائی: [۱۲۱۷]، ابن حبان: [۲۲۴۸]، السنن الصغیر للبیہقی: [۱/۳۱۶]، صحیح الجامع: [۲۲۶۵]

مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو دونوں کھمبوں کے بیچ ایک رسی بندھی ہوئی دیکھ کر فرماتے ہیں:

''یہ کیسی رسی ہے؟ لوگوں نے کہا: ''یہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے، جب عبادت کرتے کرتے انہیں سستی و تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے تو اسی سے لٹک جاتی ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کھول دو، تم میں سے ہر آدمی نشاط و چستی کی حالت میں نماز پڑھے اور جب اسے کمزوری و سستی آ جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیے۔''[1]

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۱۱۵۰]، صحیح مسلم: [۷۸۴]، ابن حبان: [۲۴۹۲]، صحیح ابوداؤد: [۱۳۱۲]، صحیح نسائی: [۱۶۴۲]، صحیح ابن ماجہ: [۱۱۳۷]

اکتیسویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت کے ساتھ رفق ونرمی...②

ابھی مسلسل گفتگو آپکی امتیوں کے ساتھ نرمی کے برتاؤ کے بارے میں جاری ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک اعرابی آ کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا مَہ مَہ (یعنی ٹھہرو، ٹھہرو)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اسے چھوڑ دو، ڈانٹو نہیں! ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ پیشاب سے فارغ ہو گیا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور اس سے فرمایا:

''بے شک یہ مسجدیں پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں ہیں، بلکہ یہ تو صرف اللہ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن کے لیے بنائی گئی ہیں۔''

راوی کہتے ہیں:

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم کے ایک آدمی کو پانی کا ڈول لانے کو کہا تو وہ ڈول بھر کر پانی لائے اور اس پر بہا دیا۔'' [1]

رفقِ محمدی ہی کی مثالوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت دیدیجئے!!

یہ سن کر قوم کے لوگ اسکی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے، اور کہا چھیں چھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

[1] متفق علیہ، بخاری: [۲۲۱]، نتائج الافکار لابن حجر: [۱/۲۸۸] وقال: اصلہ فی الصحیحین، المعجم الاوسط للطبرانی: [۶/۶۶]

فرمایا: ''اسے میرے قریب لاؤ تو وہ آپکے قریب ہوا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو اپنی ماں کے ساتھ زنا کو پسند کریگا؟۔''

اس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اور نہ ہی لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ زنا کرنے کو پسند کرتے ہیں۔''

''کیا تو اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کرنے کو پسند کریگا؟۔'' اس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ زنا کرنے کو ناپسند کرتے ہیں''۔ ''کیا تو اپنی بہن کے ساتھ زنا کرنے کو پسند کریگا؟۔'' اس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اور نہ ہی لوگ اپنی بہنوں کے ساتھ زنا کرنے کو پسند کرتے ہیں۔'' ''کیا تو اپنی پھوپھی کے ساتھ زنا کو پسند کریگا؟۔'' اس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اور نہ ہی لوگ اپنی پھوپھیوں کے ساتھ زنا کرنے کو پسند کرتے ہیں۔'' ''کیا تو اپنی خالہ کے ساتھ زنا کو پسند کریگا؟۔'' اس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اور نہ ہی لوگ اپنی خالاؤں کے ساتھ زنا کو پسند کرتے ہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی:

((اللھم اغفر ذنبہ، وطھر قلبہ، وحصن فرجہ))

''اے اللہ! تو اسکے گناہوں کو بخش دے اور اسکے دل کو پاک کردے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔''

اس دن کے بعد سے اس نوجوان نے کسی (بری) چیز کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ [1]

اسی نرم اسلوب کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان کے دل میں گھس کر اسکے زنا کے طلب کرنے کو اسکی نظروں میں قبیح بنا دیا اور یہ نرم رویہ اس نوجوان کی اصلاح واستقامت کا سبب بنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرمی ہی کی مثالوں میں سے ہی وہ واقعہ بھی ہے جسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً یوں روایت کیا ہے:

''دریں اثناء کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا نظر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا: ''یہ ابواسرائیل ہیں، انہوں نے دھوپ میں کھڑے رہنے کی نذر مان رکھی ہے، اور یہ کہ نہ تو بیٹھیں گے، نہ ہی سایہ حاصل کریں گے اور نہ ہی کسی سے بولیں گے اور روزہ سے رہیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں حکم دو کہ بات چیت کریں اور سایہ بھی حاصل کریں اور بیٹھ جائیں اور اپنے روزہ کو پورا کریں۔'' [2]

اور رفق ونرمی ہی میں سے وہ واقعہ بھی ہے جسے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ میں کہتا ہوں: ''اللہ کی قسم میں جب تک زندہ رہا (یا زندگی بھر) دن میں روزہ رکھوں گا اور رات کو قیام کروں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم یہ بات کہتے ہو؟'' میں نے کہا: '' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے یہ بات کہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اسکی طاقت نہیں رکھ

---

[1] رواہ احمد، الصحیح المسند للوادعی: [۵۰۱] تخریج الاحیاء للعراقی: [۲/۴۱۱] وقال اسنادہ جید رجالہ رجال الصحیح

[2] رواہ البخاری: [۶۸۲-۶۷۰۴]، صحیح ابوداؤد: [۳۳۰۰]، ابن حبان: [۴۳۸۵]

سکو گے، لہٰذا تم روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو سوؤ بھی اور قیام بھی کرو، تم ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھو اور چونکہ ایک نیکی دس گنا بڑھا دی جاتی ہے، لہٰذا یہ صیام دہر (زندگی بھر روزہ رکھنے) کی طرح ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا مجھے خبر نہیں ملی ہے کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو؟'' میں نے کہا: ''کیوں نہیں! '' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم ایسا نہ کرو، تم روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو سوؤ بھی اور قیام بھی کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری زیارت کرنے والے (مہمان) کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے لیئے یہی کافی ہے کہ ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھو، اور چونکہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا اجر ہے اور یہی صیام دہر ہے۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''میں نے اپنے نفس پر سختی کی اسلیئے مجھ پر سختی کی گئی، میں نے کہا: '' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس کی قوت رکھتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی طرح روزہ رکھو اور اس سے زیادہ نہ کرنا'' میں نے کہا: ''صومِ داؤدی کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نصف دھر (یعنی ایک دن روزہ رکھنا دوسرے دن افطار کرنا)'' عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جب بوڑھے ہوئے تو کہا کرتے تھے: ''کاش میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رخصت کو قبول کرلیا ہوتا۔''[1]

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۱۹۷۵-۵۰۵۲]، مسلم: [۱۱۵۹]، ابن خزیمہ: [۲۱۰۵]، مسند احمد: [۱۱/۹۶]، اصل صفۃ الصلاۃ للالبانی: [۲/۵۱۸]

بتیسویں مجلس

غزوۂ احزاب

صحیح تر قول کے مطابق شوال 5 ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا جو غزوۂ خندق کے نام سے مشہور ہے۔

غزوہ کا سبب: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودِ بنی نضیر کو جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی ناپاک کوشش کی تھی، مدینہ سے جلاوطن کر دیا تو ان کے سرداروں کا ایک گروہ مکہ پہنچا اور قریش کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارتے اور اکساتے ہوئے انہیں اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش تیار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قتال کے لیئے ان کے ساتھ متحد ہو گئے۔ پھر یہودی سردار وہاں سے نکل کر بنو غطفان اور بنو سلیم کے پاس آئے اور انہیں بھی آمادۂ جنگ کیا، چنانچہ وہ بھی تیار ہو گئے۔ پھر انہوں نے بقیہ قبائلِ عرب میں گھوم گھوم کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کی انہیں ترغیب دی۔

قریش ابو سفیان کی قیادت میں چار ہزار کے لشکر کے ساتھ نکلے، جن میں تین سو گھڑ سوار اور پندرہ سو اونٹ تھے۔ جب یہ لشکر مرّ الظہران پہنچا تو بنو سلیم کے سات سو لوگ اس میں شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ بنو اسد بھی روانہ ہوئے۔ اسی طرح فزارہ کے ایک ہزار اور اشجع کے چار سو اور بنو مرہ کے بھی چار سو آدمی انکے ساتھ روانہ ہوئے، اور تمام لوگوں کی تعداد جو خندق میں ملے دس ہزار تھی اور وہی احزاب [جماعات] ہیں۔

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے انکے پہنچنے کا پتہ چلا تو لوگوں کو بلایا، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ اور دشمنوں کے درمیان خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکا حکم دیدیا اور مسلمانوں نے اس کے کھودنے کی طرف مبادرت وجلدی کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اس کی

کھدائی میں شریک ہوئے۔ خندق کی کھدائی سلع نامی پہاڑ کے سامنے ہوئی اسطرح سے کہ مسلمانوں نے پہاڑ کو اپنی پشت پر کر دیا اور خندق کو اپنے اور کافروں کے درمیان۔

مسلمان خندق کی کھدائی سے چھ (6) دن میں فارغ ہوئے تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنکی تعداد تین ہزار تھی، پہاڑ کو پیچھے اور خندق کو سامنے رکھکر قلعہ بند ہو گئے۔

نبی ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے بارے میں حکم دیا اور وہ مدینہ کے قلعوں میں محفوظ کر دیئے گئے۔

حیّ بن اخطب بنی قریظہ کے پاس گیا، بنو قریظہ اور رسول ﷺ کے مابین عہد و پیمان تھا تو وہ خبیث مسلسل انہیں اکساتا اور بھڑکاتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے رسول ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اسے توڑ دیا، اور رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیۓ مشرکین کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اسطرح مسلمانوں پر آزمائش بڑھ گئی اور نفاق نے سر نکالا، بنو حارثہ کے کچھ لوگوں نے آپ ﷺ سے مدینہ واپس جانے کی اجازت مانگی اور کہا:

﴿ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ ﴾ [1]

''اور ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی [ﷺ] سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ (کھلے ہوئے اور) غیر محفوظ نہ تھے (لیکن) ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا۔''

اور بنو سلمہ نے پسپائی کا ارادہ کر لیا، پھر اللہ رب العالمین نے دونوں جماعتوں کو ثابت قدمی عطا کی۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب آپ ﷺ نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کے ایک حصے میں ایک چٹان آڑے آ گئی جس سے کُدال اچٹ جاتی تھی۔ ہم نے

---

[1] سورۃ الاحزاب: [١٣]

آپ ﷺ سے اسکی شکایت کی تو آپ ﷺ آئے جب اسے دیکھا تو آپ ﷺ نے اوپر والے کپڑے اتارے، کُدال لی اور ''بسم اللہ'' کہہ کر ایک ضرب لگائی تو اسکا تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم! میں اسوقت اس کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔'' پھر دوسری مرتبہ ماری تو اس کا دو تہائی ٹوٹ گیا اور فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، اللہ کی قسم! میں اسوقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے تیسری بار ماری تو بقیہ پتھر ٹوٹ گیا اور فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، اللہ کی قسم! میں اسوقت یہاں سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔''[1]

مشرکوں نے ایک ماہ تک رسول ﷺ کا محاصرہ کیئے کر رکھا اور انکے مابین خندق کے حائل ہونے کی وجہ سے کوئی جنگ نہ ہوسکی۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ:

''خندق کے دن بہت زیادہ خوف بڑھ گیا تھا، لوگ ہمت ہار بیٹھے، بال بچوں اور مال و دولت پر خطرہ محسوس کیا جانے لگا۔ قریش کے چند گھڑ سواروں نے خندق کے ایک تنگ حصے کو تلاش کر کے اس میں اپنے گھوڑے کدا دیے اور ان کی ایک جماعت نے خندق پار کر لی جن میں عمرو بن ودّ بھی تھا، جو ستر سال کا تھا، وہ مسلمانوں کو مبارزت و مقابلے کے لیئے للکارنے لگا تو علی رضی اللہ عنہ اسکے مقابلے کے لیئے نکلے اور اسے جہنم رسید کر دیا۔''

جب صبح ہوئی تو انہوں نے ایک بہت بڑی ٹولی تیار کی جن میں خالد بن ولید بھی تھے

---

[1] فتح الباری: [۷ / ۴۵۸] وحسنہ اسنادہ، مجمع الزوائد للهيثمي: [۶ / ۱۳۳] البداية والنهاية لابن كثير: [۴ / ۱۰۲]، الاحکام الکبریٰ عبدالحق الاشبیلی: [۵۱۰] وصحّحہ

اور مسلمانوں سے رات تک لڑتے رہے، آپ ﷺ کو اس روز ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"انہوں نے ہمیں درمیانی نماز (عصر) سے روک دیا، اللہ انکے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔" [1] پھر اللہ نے اپنی طرف سے ایک ایسی تدبیر فرمائی جس سے دشمن پسپائی اور جنگ بند کرنے پر آمادہ ہو گئے، اور انکی جماعتوں میں اللہ نے تفریق ڈالدی، وہ اسطرح کہ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور مشرکین و یہود کو اسکا علم نہیں ہو سکا، چنانچہ وہ باری باری قریش اور بنو قریظہ کے پاس گئے اور انھیں پسپائی اور ترکِ جنگ پر آمادہ کر دیا۔ پھر اللہ کی طرف سے ایک سخت ہوا چلی تو ابو سفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "تم اپنے گھروں میں نہیں ہو گھوڑے اور اونٹ سبھی ہلاک ہو چکے اور بنو قریظہ نے اختلاف کر لیا اور آندھی سے جو ہمارا برا حال ہوا ہے وہ تمہارے سامنے ہے اسلیئے کوچ کر چلو، میں تو واپس لوٹ رہا ہوں۔ اس دن مشرکوں میں سے تین لوگ قتل کیئے گئے اور مسلمانوں میں سے چھ لوگ شہید ہوئے۔" [2]

---

[1] صحیح مسلم: [۶۲۸]، مسند احمد: [۶/ ۱۶۹]، شرح معانی الآثار طحاوی: [۱/ ۱۷۳]، المحلّی: [۴/ ۲۵۳]

[2] انظر "الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ" صفحہ: [۷۱۳۔ ۷۱۴] وزاد المعاد: [۳/ ۲۶۹۔ ۲۷۵]

تینتیسویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدل وانصاف

اسلام مطلق عدل وانصاف لے کر آیا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ [2]

''کسی قوم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی عدل وانصاف کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ بنو مخزوم کی ایک شریف عورت نے چوری کا ارتکاب کیا تو قریش کو اس عورت کے معاملہ نے غمگین کر دیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حد کو روکنے کے سلسلہ میں سفارش کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا:

---

[1] سورۃ النحل: [۹۰]

[2] سورۃ المائدہ: [۸]

"اس کے لیے کون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرے گا؟۔" پھر انہوں نے کہا: "اس کی جرأت تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے ہیں، وہی کر سکتے ہیں۔ وہ انہیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک بدل گیا اور فرمایا: "کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟" اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرے لیے استغفار کر دیجیے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

جب شام ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

"امابعد! بے شک تم سے پہلے لوگ اسی بات کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے کہ جب ان میں سے کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ضعیف و کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" [1]

یہ ہے نبوی عدل وانصاف جو کسی شریف اور کمتر کے مابین یا مالدار و فقیر کے درمیان یا حاکم ومحکوم کے درمیان تفریق نہیں کرتا۔ سب کے سب حق وانصاف کے ترازو میں برابر ہیں۔

عدالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میرے باپ نے مجھے ایک تحفہ دیا تو ان کی والدہ عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اسوقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۴۳۰۴]، مسلم: [۱۶۸۸]، صحیح ابی داؤد: [۴۳۷۳]، صحیح ترمذی: [۱۴۳۰]، صحیح نسائی: [۴۹۱۶]، ابن حبان: [۴۴۰۲]، المعجم الاوسط للطبرانی: [۲۱/۸]، صحیح ابن ماجہ: [۲۰۸۰]

کہ رسول ﷺ گواہی سے دیدیں تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ: ''میں نے اپنے بیٹے کو، جو عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا سے ہیں، ایک ہدیہ دیا تو اس نے مجھے یہ حکم دیا کہ آپ ﷺ کو اس پر شاہد بناؤں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تو نے اپنے باقی بچوں کو بھی اسی طرح دیا ہے؟'' انہوں نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنے بچوں کے مابین انصاف کرو'' پھر بشیر رضی اللہ عنہ لوٹ گئے اور اپنے عطیہ کو واپس لے لیا۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تمہارے اس کے علاوہ بھی بیٹے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ہاں!
آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا سب کو اسی جیسا دیا ہے؟'' انہوں نے کہا: نہیں!
تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ظلم و ناانصافی پر گواہی نہیں دیتا۔'' [2]

ذوالخویصرہ تمیمی آپ ﷺ کے پاس آتا ہے اس حال میں کہ آپ ﷺ مال (غنیمت) تقسیم کر رہے ہوتے ہیں اور کہتا ہے:

''اے محمد ﷺ! انصاف سے کام لیجئے'' آپ ﷺ فرماتے ہیں:
''تیری تباہی ہو! جب میں انصاف نہیں کروں گا تو کون کریگا؟'' یقیناً میں بربادی اور خسارہ میں رہوں گا اگر انصاف سے کام نہ لوں گا۔'' [3]

آپ ﷺ ہی ہیں جن کو اللہ نے فضیلت سے نوازا اور عادل قرار دیا ہے اور اپنی وحی

---

[1] متفق علیہ۔ مسلم: [۱۶۲۳]، صحیح ابی داؤد: [۳۵۴۴]، صحیح نسائی: [۳۶۸۹]، ابن حبان: [۵۱۰۴]، صحیح الجامع: [۱۰۷]

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۲۶۵۰]، مسلم: [۱۶۲۳]، صحیح نسائی: [۳۶۸۴]، ابن حبان: [۵۱۰۶]

[3] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۶۱۰]، مسلم: [۱۰۶۳]، صحیح ابن ماجہ: [۱۴۲]، ابن حبان: [۴۸۱۹]، صحیح الادب المفرد: [۵۹۵]

پر امین بنایا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے عدل وانصاف سے کام نہ لیں گے؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فرمان ہے:

''بے شک انصاف پرور اللہ کے پاس نور کے منبروں پر جلوہ گر ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اھل وعیال اور رعایا (یا ماتحت لوگوں) کے ساتھ انصاف سے کام لیتے ہیں۔'' [1]

جہاں تک بیویوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل وانصاف کرنے کی بات ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کما حقہ، عدل وانصاف سے کام لیتے تھے، اس طور پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کی تقسیم پر قادر تھے اسے ان کے درمیان مکمل انصاف کے ساتھ تقسیم کیا کرتے تھے، جیسے گھر اور نان ونفقہ وغیرہ چاہے سفر ہو یا حضر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کے پاس ایک رات گزارتے، اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتا ہر ایک پر برابر خرچ کیا کرتے تھے، اور ہر ایک کے لیئے ایک کمرہ تیار کروایا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر پر نکلنے کا ارادہ کرتے تو ان کے مابین قرعہ اندازی کیا کرتے تھے اور جس کے نام کا قرعہ نکلتا تھا، اسی کے ساتھ سفر کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں کبھی کسی طرح کی کمی وکوتاہی نہ برتی یہاں تک کہ مرضِ موت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر بیوی کے پاس اس کی باری میں لے جایا جاتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ چیز شاق گزری اور انہیں پتہ چل گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مستقر ہونا چاہتے ہیں تو تمام بیویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اجازت دیدی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیماری کے ایام گذاریں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی کے

---

[1] رواہ مسلم: [۱۸۲۷]، صحیح نسائی: [۵۳۹۴]، ابن حبان: [۴۴۸۴]، التلخیص الحبیر: [۴/ ۱۵۵۳]، تفسیر ابن کثیر: [۸/ ۱۱۷]

پاس ٹھہرے رہے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان بیویوں کے ساتھ اس قدر عدل وانصاف کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے یہ معذرت کیا کرتے تھے کہ: ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس پر میں قدرت رکھتا ہوں تو اے میرے پرودگار! اس چیز پر مجھے ملامت نہ کرنا جس پر تو قدرت رکھتا ہے اور میں اس کے برتنے سے عاجز ہوں[1]۔''[2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بیوی کو نظرانداز کر کے دوسری بیوی کی طرف مائل ہونے سے بھی منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''جس شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو گیا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اسکا ایک پہلو جھکا ہوا[مفلوج] ہوگا۔''[3]

---

[1] اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی القرآن والسنة: [۱۲۷۱/۳]

[2] رواہ ابوداوٗد: [۲۱۳۴] والترمذی، نسائی: [۳۹۵۳]، ابن ماجہ: [۳۸۱]، ابن حبان: [۴۲۰۵]، البدر المنیر لابن الملقن: [۳۸/۸] وصححہ فتح القدیر للشوکانی: [۷۸۱/۱] وقال: اسنادہ صحیح

[3] رواہ مسلم، صحیح ابوداوٗد: [۲۱۳۳]، صحیح نسائی: [۳۹۵۲]، صحیح الادب المفرد: [۹۲۳]، مسند احمد: [۷۸/۱۵] و صححہ احمد شاکر

چونتیسویں مجلس

یہودیوں کی ریشہ دوانیاں اور ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موقف

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں موجود یہودیوں سے صلح کر لی تھی اور ان کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرنے کا عہد و پیمان کیا تھا، مگر انہوں نے جلد ہی وہ معاہدہ توڑ دیا اور اپنی معروف روشِ عہد شکنی ومکر وفریب پر چلنا اور سازشوں کے جال بننا شروع کر دیے۔

چنانچہ یہود بنو قینقاع کے مکر وفریب میں سے یہ ہے کہ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ بدر کے موقعہ پر لوگوں کے ساتھ مشغول پایا تو اس کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان میں سے بعض نے ایک مسلم عورت کو ہراساں کیا اور کھلے بازار میں اس کے جسم سے کپڑے کو کھول دیا۔ اس عورت نے چیخ ماری تو ایک مسلمان کو غصہ آ گیا، اور اس نے یہودی کو قتل کر دیا۔ جواباً یہودی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس ہوئے تو یہود سے اس وقوع پذیر ہونے والے شر وہنگامے کے بارے میں دریافت کرنے کے لیۓ انہیں طلب کیا تو انہوں نے سختی سے بات کی بلکہ وہ معاہدہ نامہ بھجوا کر جنگ کے لیۓ تیار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکا محاصرہ کر لیا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس مسلمانوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات پر جان چھڑائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے مال ومتاع لے لیں اور انکے بال بچوں اور عورتوں کو چھوڑ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چیز منظور کر لی اور انہیں مدینہ سے نکال دیا۔ اس طرح سے مسلمانوں کو انکے قلعوں سے اسلحہ اور بہت سارا سامان (آلات واوزار) حاصل ہوئے۔

رہا معاملہ بنو نضیر کے یہود کا تو انہوں نے بھی عہد شکنی کی اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ہجرت کے چوتھے سال آپ ﷺ بنو نضیر کے یہاں ایک دیت کی ادائیگی کے سلسلہ میں مدد طلب کرنے کے لیئے تشریف لے گئے تو وہ دیوار کے پیچھے بیٹھ کر آپ ﷺ کو قتل کرنے کی ناپاک سازش کرنے لگے، وہ اس طرح سے کہ عمرو بن جحّاش یہودی آپ ﷺ پر (دیوار کے اوپر سے) چکی کو اٹھا کر پھینک دے لیکن آپ ﷺ کو آسمان سے اس کی خبر دیدی گئی، فوراً آپ ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ واپس آ گئے۔

پھر آپ ﷺ نے ان کو یہ سزا دی کہ انہیں مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا چنانچہ وہ اپنے ساز و سامان کو چھ سو اونٹوں پر لادے ہوئے اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ڈھاتے ہوئے خیبر کی طرف نکل گئے۔ رہے بنو قریظہ کے یہود تو جیسا کہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے عہد شکنی کی تھی اور غزوۂ خندق میں آپ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے میں مشرکوں اور دیگر احزاب، جماعات کے حلیف تھے، لہٰذا جب اللہ نے احزاب (جتھوں) کو پسپا کر دیا اور انکی جمعیت کو منتشر کر دیا اور وہ واپس ہو گئے تو نبیؐ ﷺ تین ہزار کے لشکر کے ساتھ بنو قریظہ کو سزا دینے کے لیئے نکلے۔

آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر کے ان پر حصار کو تنگ کر دیا تو انہوں نے آپ ﷺ سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا مطالبہ کیا، چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ (حکم) دیا کہ انکے قتال پر قادر مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے مالوں کو تقسیم کر دیا جائے، لہٰذا انکے مردوں کی گردنیں اڑا دیں گئیں، لیکن چند افراد کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیدیا گیا۔

اس فیصلہ کو یہود نے خود اختیار کیا تھا کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انکے بارے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فیصلہ کریں اس گمان کی بنیاد پر کہ اوس کے ساتھ انکے تعلقات ہونے کیوجہ سے وہ انکے سلسلے میں نرمی و جھکاؤ کا رویہ اپنائیں گے، نیز یہود اپنے قیدیوں کو اس

سے بھی بڑھ کر سزائیں دیتے تھے جیسا کہ تورات میں کتاب گنتی [31:9-18] [1] میں وارد ہوا ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

''بنو اسرائیل نے مدیانی عورتوں اور بچوں کو اسیر بنایا اور انکے مویشیوں کے تمام ریوڑ اور بھیڑ بکریوں کے تمام گلے اور سارا مال و اسباب لوٹ لیا اور انکے تمام شہروں کو انکے گھروں اور قلعوں سمیت نذرِ آتش کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام ناراض ہو گئے اور کہا: ''کیا تم نے سب عورتوں کو زندہ باقی رکھا؟ تو اب سب لڑکوں کو قتل کر ڈالو اور ہر اس عورت کو بھی مار ڈالو جو کسی آدمی سے ہمبستر ہو چکی ہو لیکن ہر اس لڑکی کو اپنے لیئے بچائے رکھو جو کبھی کسی مرد کے ساتھ سے ہمبستر نہ ہوئی ہو۔''

اللہ کی پناہ! کہ موسیٰ علیہ السلام اسطرح اجتماعی مردم کشی کا حکم دیں، لیکن اسی طرح انہوں نے تورات کو بدل ڈالا اور یہی انکا قیدیوں کے بارے میں حکم تھا۔ [2]

---

[1] اصل کتاب میں حوالہ اور عبارت میں کچھ خامی تھی، جس کی بائبل کے اردو نسخے سے تصحیح کر دی گئی ہے۔

[2] انظر: رحمۃ للعالمین مترجم عربی صفحہ: [۱۲۵-۱۲۶] ولباب الخیار صفحہ: [۵۹-۶۷-۷۳]

پینتیسویں مجلس

قتال کی مشروعیت کیوں ہوئی؟

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی تلوار نہیں تھی جسکے ذریعے لوگوں کی گردنیں اڑاتے پھرتے رہے ہوں تاکہ لوگوں کو جبراً اسلام قبول کرائیں۔ قرآنِ کریم نے اس بات کی نہایت ہی واضح انداز میں تردید کی ہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [1]

''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ [2]

''تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [3]

''تمہارے لیئے تمہارا دین ہے اور میرے لیئے میرا دین ہے۔''

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اسلامی سلطنت داخلی وخارجی ظلم وزیادتیوں کے خلاف ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہے، بلکہ اللہ رب العزت نے مومنوں کو اپنا دفاع کرنے کا اور

---

[1] سورۃ البقرۃ: [۲۵۶]

[2] سورۃ یونس: [۹۹]

[3] سورۃ الکافرون: [۶]

اپنے اوپر ہونے والے ظلم وزیادتی کے بقدر (کافروں سے) بغیر کسی زیادتی یا اعتداء کے اپنا حق لینے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص﴾ [1]

''جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کسی نے کی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط﴾ [2]

''لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط﴾ [3]

''اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو۔''

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں قتال کی اصل مشروعیت دفاعِ نفس اور امت کو داخلی وخارجی مکروسازش اور ظلم وزیادتی سے محفوظ رکھنے کے لیئے ہے۔ جب ہم اسلامی جہاد کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت طشتِ ازبام ہو جاتی ہے کیونکہ جب اہلِ مکہ کی سرکشی بڑھ گئی اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی ناپاک سازش کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو اسطرح سے مسلمانوں پر ظلم واعتداء کی شروعات انہی کے ذریعے ہوئی، اس طور سے

---

[1] سورۃ البقرۃ: [۱۹۴]

[2] سورۃ البقرۃ: [۱۹۰]

[3] سورۃ البقرۃ: [۱۹۱]

کہ انہوں نے مسلمانوں کوناحق انکے شہر سے نکال دیا چنانچہ ہجرت کے بعد اللہ رب العالمین نے مسلمانوں کو مشرکینِ قریش سے قتال کرنے کی اجازت دے دی، جیسا کہ سورہ حج میں اللہ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝٣٩ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَٰرِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَن يَقُولُوا رَبُّنَا ٱللَّهُ ۗ ﴾[1]

”جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کررہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں، بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے، یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔“

اس آیت کی بنیاد پر آپ ﷺ بقیہ عرب کو چھوڑ کر صرف قریش ہی سے تعرّض کرتے تھے۔ لیکن جب اہلِ مکہ کے علاوہ دیگر مشرکین عرب بھی مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انکے دشمنوں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف باہم متحد ہو گئے تو اللہ رب العالمین نے تمام مشرکین سے قتال کا حکم صادر فرمادیا جیسا کہ سورہ توبہ میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَٰتِلُوا ٱلْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَٰتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ۚ وَٱعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلْمُتَّقِينَ ۝٣٦ ﴾[2]

”اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔“

اس طرح سے جہاد ان تمام بت پرستوں کے خلاف عام ہو گیا تھا جن کے پاس کوئی کتاب

---

[1] سورۃ الحج: [۳۹۔۴۰]

[2] سورۃ التوبۃ: [۳۶]

نہیں ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے مصداق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں، پس اگر انہوں نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جان و مال کی حفاظت کرلی مگر اسکے حق کے ساتھ اور انکا حساب اللہ پر ہوگا۔''[1]

اور جب یہود نے مسلمانوں کے معاہدہ کی خلاف ورزی اور خیانت کا مظاہرہ کیا بایں طور کہ انھوں نے مشرکوں کی مسلمانوں کے خلاف لڑائیوں میں مدد کی تو اللہ نے ان یہودیوں سے بھی جنگ کرنے کی اجازت دیدی جیسا کہ سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝٥٨﴾[2]

''اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہدنامہ توڑ دے، اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

یہودیوں سے اس وقت تک جنگ کرنا واجب ہے جب تک کہ وہ دینِ اسلام کو قبول نہ کرلیں یا ذلت ورسوائی کے ساتھ جزیہ نہ دینے لگ جائیں، تاکہ مسلمان ان کی جانب سے مامون ومحفوظ ہوجائیں۔[3]

اسی طرح نصاریٰ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جنگ کی شروعات نہ کی جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری: [۶۹۲۴]، صحیح مسلم: [۲۱]، صحیح ترمذی: [۲۶۰۷]، صحیح نسائی: [۲۴۴۲]، صحیح ابوداؤد: [۱۵۵۶]، مسند احمد: [۱/ ۱۶۸]، ابن حبان: [۲۱۶]

[2] سورۃ الانفال: [۵۸]

[3] نور الیقین صفحہ: [۸۴-۸۵]

”رہی بات نصاریٰ کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کسی سے جنگ نہیں کی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد تمام بادشاہوں کے پاس انہیں اسلام کی دعوت دینے کے لیئے اپنے قاصدوں کو بھیجا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر وکسریٰ اور مقوقس ونجاشی اور مشرق وشام کے تمام عرب بادشاہوں کے پاس اپنے قاصدوں کو بھیجا۔

چنانچہ نصاریٰ اوران کے علاوہ دیگر لوگوں میں سے جو بھی اسلام میں داخل ہونا چاہے ہوگئے، اس پر شام کے نصاریٰ نے ”معان“ میں اپنے اسلام لانے والے بعض بڑے لوگوں کو قتل کر دیا۔

اس طرح نصاریٰ نے ہی سب سے پہلے مسلمانوں سے جنگ کی اوران میں سے جو اسلام لائے انہیں ظلم وزیادتی کرتے ہوئے قتل کرڈالا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قاصدین کو اس لیئے بھیجا تھا کہ لوگوں کو برضا ورغبت اسلام کی طرف بلائیں نہ کہ ان پر جبر کریں، چنانچہ کسی کو بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔“[1]

بنابریں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمنوں سے قتال مندرجہ ذیل اصولوں پر مبنی تھا:

[۱]... مشرکینِ قریش کو محارب سمجھنا کیونکہ انہوں نے ہی سرکشی (اعتداوزیادتی) شروع کی تھی، اسی وجہ سے مسلمانوں نے ان سے جنگ کی۔

[۲]... جب یہودیوں کی جانب سے خیانت اورمشرکوں کی جانب داری دیکھی گئی توان سے جنگ کی گئی۔

[۳]... جب کسی عرب قبیلے نے مسلمانوں پر اعتداء وزیادتی کی یا قریش کی مدد کی توان سے جنگ کی گئی، یہاں تک کہ وہ اسلام کو اپنالیں۔

---

[1] قاعدۃ مختصرۃ فی قتال الکفار ومھادنتھم صفحہ: [۱۳۵۔۱۳۶]

④... اہلِ کتاب میں سے جس نے بھی عداوت ودشمنی کا آغاز کیا جیسے نصاریٰ، تو ان سے قتال کیا گیا یہاں تک کہ وہ اسلام کو گلے سے لگالیں یا جزیہ دینے لگیں۔

⑤... جو بھی اسلام میں داخل ہو گیا، اس نے اپنی جان ومال کو محفوظ کرلیا مگر اس کا حق برقرار ہے اور اسلام سابقہ چیزوں کو مٹا دیتا ہے۔[1]

[1] دیکھیے: نور الیقین صفحہ: [۸۵]

چھتیسویں مجلس

صلح حدیبیہ

سن 6 ہجری میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ پہ نکلنے کے لیئے کہا، تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جلدی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ روانہ ہوئے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسافر کے ہتھیار یعنی نیام بند تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم اپنے ہمراہ (قربانی کے) اونٹ بھی لے گئے۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجدِ حرام سے روکنے کے لیئے جتھے جمع کر لیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلاۃِ خوف پڑھی پھر مکہ کے قریب ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری بیٹھ گئی، مسلمان کہنے لگے:

''قصواء اُڑ گئی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''وہ اڑی نہیں ہے بلکہ اسے ہاتھی کو روکنے والے نے روک دیا ہے، اللہ کی قسم! آج کے دن وہ مجھ سے جو بھی معاملہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم ہو تو میں اسے ضرور تسلیم کر لوں گا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپس آ کر حدیبیہ کے ایک کم پانی والے چشمے کے پاس نزول فرمایا اور کمان سے ایک تیر نکال کر اس کے اندر گاڑ دیا، پھر تو اس کے اندر سے اس قدر پانی ابلنا شروع ہو گیا کہ لوگوں نے اس کنویں سے اپنے ہاتھوں سے پانی بھرا۔ بدیل بن ورقاء نے واپس جا کر قریش کو (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے

مقصد کی) خبر دی، پھر انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا، اس سے بھی آپ ﷺ نے اسی طرح بات کی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ایسے امور دکھلائے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آپ ﷺ سے عظیم محبت اور آپ ﷺ کے حکم کی بجا آوری پر دلالت کرتے تھے۔ اس نے واپس جا کر جو کچھ سنا اور دیکھا تھا، قریش کو اس سے خبردار کیا، پھر انہوں نے بنو کنانہ کے ایک آدمی حلیس بن علقمہ اور اسکے بعد مکرز بن حفص کو بھیجا، دریں اثنا کہ وہ آپ ﷺ سے محوِ گفتگو تھا، سہیل بن عمرو آ گئے، انہیں دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''تمہارا معاملہ آسان ہو گیا''

پھر دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہو گئی، حالانکہ اگر مسلمان اسوقت دشمن کا مقابلہ کرتے تو ان پر کامیاب ہو جاتے لیکن انہوں نے کعبہ کی حرمت کا پاس و لحاظ رکھا، صلح کی دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

۱... دس سال تک فریقین کے مابین جنگ بند رہے گی۔

۲... اس مدت میں لوگ امن سے رہیں گے، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۳... پیغمبر ﷺ اس سال (بغیر مکہ میں داخل ہوئے) لوٹ جائیں گے، اور آئندہ سال انہیں مکہ میں آنے کا موقع دیا جائے گا۔

۴... قریش میں سے جو بھی شخص چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو گیا ہو آپ ﷺ کے پاس جاتا ہے تو آپ ﷺ اسے لوٹا دیں گے، لیکن اگر آپ ﷺ کے پاس سے کوئی آدمی قریش کے پاس جاتا ہے، تو وہ اسے واپس نہیں لوٹائیں گے۔

۵... قریش کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے کا کوئی آدمی اگر محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے وہ اس کے لیئے آزاد ہے۔[1]

---

[1] انظر: الوفاء صفحہ: [۷۱۶] و لباب الخیار صفحہ: [۸۱۔۸۳]

صلح حدیبیہ کے نتائج:

بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس صلح کی مخالفت کی اور اس کی دفعات میں انہیں مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی اور جانبداری نظر آئی لیکن مرورِ ایام کے ساتھ انہوں نے اس صلح کے بہترین نتائج اور اچھے انجام کا مشاہدہ کیا جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

[۱]... قریش نے اسلامی سلطنت کے وجود کا اعتراف کرلیا کیوں کہ معاہدہ ہمیشہ دو برابر کے فریقوں کے مابین ہی ہوا کرتا ہے، اس اعتراف کا دیگر قبائل کے دلوں پر بہت اثر پڑا۔

[۲]... مشرکوں اور منافقوں کے دلوں میں رعب و دبدبہ پیدا ہوگیا، اور ان میں سے بہتوں نے اسلام کے غلبہ کا یقین کرلیا، اور اس کے بعض مظاہر قریش کے بہت سے سرداروں کی جانب سے اسلام کی طرف سبقت کرنے میں نمایاں ہوئے جیسے: خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما۔

[۳]... اس صلح نے اسلام کی نشر و اشاعت کرنے اور لوگوں کو اس سے متعارف کرانے کا موقع فراہم کردیا جس کے نتیجے میں بہت سارے قبیلے اسلام میں داخل ہوگئے۔

[۴]... مسلمان قریش کی جانب سے مامون و محفوظ ہوگئے، لہٰذا انہوں نے اپنا بوجھ (پورا زور) یہود اور ان دیگر قبائل پر ڈال دیا جو مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر کی جنگ واقع ہوئی۔

[۵]... صلح کی بات چیت سے حلفاء قریش مسلمانوں کے موقف کو سمجھنے اور ان کی طرف مائل ہونے لگے، چنانچہ حلیس بن علقمہ نے جب مسلمانوں کو تلبیہ پکارتے ہوئے سنا تو قریش کے پاس آکر کہنے لگا:

”میں نے ہدی کے اونٹ دیکھے ہیں جن کے گلے میں قلادے ہیں اور ان کے کوہان چیرے ہوئے ہیں لہٰذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ انھیں بیت اللہ

[خانہ کعبہ] سے روکا جائے۔"

٦... صلح حدیبیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ موتہ کی تیاری کے قابل بنا دیا، اسطرح سے یہ جزیرۂ عرب سے باہر اسلامی دعوت کو نئے انداز سے منتقل کرنے کے لیئے ایک نیا قدم ثابت ہوئی۔

٧... صلح حدیبیہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روم و فارس اور قبط (مصر) کے بادشاہوں کی طرف انہیں اسلام کی دعوت دینے کے لیئے خطوط ارسال کرنے میں بہت مدد ملی۔

٨... صلح حدیبیہ فتح مکہ کا سبب اور پیش خیمہ ثابت ہوئی۔[1]

[1] السیرۃ النبویۃ للصلابی، صفحہ: [٦٨٣۔٦٨٤]

سینتیسویں مجلس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایفاء عہد

اسلام وفاداری، عہد و پیمان اور مواثیق کے احترام کا مذہب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ [1]

''اے ایمان والو! عہد و پیماں پورے کرو۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝٣٤﴾ [2]

''اور وعدے پورے کرو، کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝٢٠﴾ [3]

''(عقلمند وہ ہیں) جو اللہ کے عہد (و پیمان) کو پورا کرتے ہیں، اور قول وقرار کو توڑتے نہیں۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس کا کسی قوم کے ساتھ کوئی عہد و پیمان ہو تو وہ اسے ہرگز نہ توڑے، اور نہ ہی اسے (مزید) مضبوط کرے یہاں تک کہ اس کی مدت

---

[1] سورۃ المائدہ: [۱]

[2] سورۃ الاسراء: [۳۴]

[3] سورۃ الرعد: [۲۰]

پوری ہو جائے یا برابری کے ساتھ ان کے عہد و پیمان کو فسخ کر دے۔'' [1]

جب رسول ﷺ کے پاس مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آئے اور انہوں نے جو کچھ بات کرنی تھی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔'' [2]

تبھی سے یہ قاعدہ بن گیا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جائیگا۔

آپ ﷺ کے کافروں کے ساتھ ایفائے عہد کی مثالوں میں سے وہ واقعہ بھی ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت پیش آیا، اسی صلح میں جسے آپ ﷺ نے قریش کے سفیر و نمائندہ سہیل بن عمرو کے ساتھ پورا کیا، جس صلح کی دفعات میں سے یہ بھی تھا کہ نبی ﷺ کے پاس قریش میں سے اگر کوئی بھی شخص صلح کی مدت کے دوران آئے گا، اگرچہ وہ مسلمان ہو گیا ہو تو رسول ﷺ اسے واپس لوٹا دیں گے۔ ابھی وہ اس صلح کی بقیہ دفعات کو لکھ ہی رہے تھے کہ اسی اثنا میں ابو جندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آ گئے جو مکہ کے نچلے حصے سے نکل کر آئے تھے اور آ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے پاس ڈال دیا تو سہیل نے کہا:

''اے محمد ﷺ! یہ پہلا آدمی ہے جس کے بارے میں، میں آپ ﷺ سے تقاضا کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اسے میری طرف واپس لوٹا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی ہم نے صلح کو آخری شکل نہیں دی ہے'' سہیل نے کہا: ''تب پھر میں ہرگز کسی چیز پر صلح نہیں کروں گا۔ اس

---

[1] صحیح ابوداؤد: [٢٧٥٩]، صحیح ترمذی: [١٥٨٠]، ابن حبان: [٤٨٧١]، زادالمعاد: [٣/١١٣]، صحیح الجامع: [٢٣٨٠]

[2] صحیح ابوداؤد: [٢٧٦١] والترمذی، صحیح الجامع: [٥٣٢٠]، مسند احمد: [٥/٣٢٧-٢٨٧] وحسّن اسنادہ احمد شاکر، البدر المنیر لابن الملقن: [٩/٩٠]

پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے لیئے چھوڑ دو'' اس نے کہا: ''میں اسے آپ ﷺ کے لیئے نہیں چھوڑ سکتا'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اتنا تو کر ہی دو۔'' اس نے کہا کہ: ''میں نہیں کروں گا۔'' ابو جندل تیز آواز سے چیخنے لگے: ''اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں مشرکوں کی طرف واپس کر دیا جاؤں گا تا کہ وہ مجھے دین سے برگشتہ کرنے کے لیئے آزمائش میں ڈالیں جبکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں؟ رسول ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو جندل! صبر و احتساب سے کام لو، بے شک اللہ تمہارے لیئے اور تمہارے ساتھ جتنے بھی کمزور مسلمان ہیں، انکے لیئے آسانی کا راستہ پیدا کریگا۔ ہم نے ان لوگوں کو صلح کا عہد و پیان دے دیا ہے اور اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے لہٰذا ہم اسکی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔''[1]

اسی طرح ابو بصیر ثقفی جو قریش کے حلیف تھے، بھاگ کر آپ ﷺ کے پاس آئے تو قریش نے ان کو واپس طلب کرنے کے لیئے دو آدمیوں کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے انہیں صلح حدیبیہ کے اتفاق کے بموجب واپس کر دیا۔ اس میں آپ ﷺ کے کمالِ وفا اور عہد و میثاق کی پاسداری و احترام کی دلیل ہے باوجودیکہ ظاہری طور پر اس عہد میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم تھا۔

کافروں کے ساتھ آپ ﷺ کے ایفائے عہد ہی کی دلیلوں میں سے وہ بھی ہے جسے براء رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:

''جب آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ کیا تو اہلِ مکہ کے پاس آدمی بھیج کر ان سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے یہ شرط رکھی کہ آپ ﷺ اس میں صرف تین دن ٹھہریں گے اور ہتھیاروں کو نیام میں رکھکر داخل ہوں گے اور ان میں سے کسی کو اسلام کی دعوت نہ دیں گے۔''

---

[1] رواہ البخاری: [۲۷۳۱]

راوی کہتے ہیں کہ:

''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کے درمیان اس شرط کو لکھنے لگے تو انہوں نے لکھا: ''یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاق کیا ہے تو انہوں نے کہا: ''اگر ہم مانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکتے ہی نہیں، بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے، اس طرح لکھو: ''یہ وہ شرط ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اتفاق کیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ کی قسم! محمد بن عبداللہ ہوں اور میں اللہ کی قسم! اللہ کا رسول ہوں'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''رسول اللہ کا لفظ مٹا دو'' علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم میں ہرگز اسے نہ مٹاؤں گا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اسے مجھے دکھاؤ، علی رضی اللہ عنہ نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہو گئے اور مدت پوری ہوگئی تو وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے: ''اپنے ساتھی کو کہو کہ یہاں سے کوچ کر جائیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! (ٹھیک ہے)'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے کوچ کر گئے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا، اور تین دن سے زیادہ مکہ میں نہیں ٹھہرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدر وخیانت اور وعدہ کی خلاف ورزی سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

''جس نے کسی شخص کو جان کی امان دی، پھر اسے قتل کر دیا تو میں قاتل

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۱۴۸]

سے بری ہوں اگرچہ مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو۔''[1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس قوم نے بھی عہد و پیمان کو توڑ ڈالا تو انکے درمیان جنگ واقع ہوئی۔''[2]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیانت، جو وفا کی ضد ہے، اس سے پناہ مانگی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((...واعوذبک من الخیانة فانھا بِئست البطانة))

''...اور میں خیانت سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ بہت بری رازدار ہے۔''[3]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدر و خیانت کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''قیامت کے دن ہر خیانت کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا جسکے ذریعے وہ پہچانا جائیگا۔''[4]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عہد شکنی نہیں کرتے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

''میں عہد کو نہیں توڑتا۔''[5]

---

[1] نسائی نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح الجامع: [۲۱۰۳] میں صحیح کہا ہے۔ مجمع الزوائد: [۶/۲۸۸]

[2] رواہ الحاکم وصححہ علی شرط صحیح مسلم وصححہ الالبانی فی الصحیحۃ: [۱۰۷]

[3] صحیح ابوداؤد: [۱۵۴۷]، وصحیح النسائی: [۵۴۸۳] وحسنہ الالبانی فی صحیح الجامع: [۱۲۸۳] وصححہ النووی فی ریاض الصالحین: [۳۸۴]، ابن حبان: [۱۰۲۹]، صحیح ابن ماجہ: [۲۷۲۳]

[4] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۱۸۶]، مسلم: [۱۷۳۵]، مسند احمد: [۸/۱۷۷]، السنن الصغیر للبیہقی: [۳/۴۰۲]

[5] رواہ احمد، وصحیح ابوداؤد: [۲۷۵۸] وصححہ الالبانی فی صحیح الجامع: [۲۵۱۰]، صحیح ابن حبان: [۴۸۷۷]

اڑتیسویں مجلس

غزوۂ فتح مکہ

صلح حدیبیہ کے اتفاق ومعاہدہ میں یہ بات وارد ہوئی تھی کہ خزاعہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف ہو گئے اور بکر قریش کے عہد میں داخل ہو گئے، پھر خزاعہ کے ایک آدمی نے جب بکر کے ایک آدمی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار پڑھتے سنا تو اسکو مار کر زخمی کر دیا۔ اس طرح سے انکے مابین برائی بڑھ گئی اور بنو بکر بنو خزاعہ سے لڑائی کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریش سے مدد طلب کی تو قریش نے ہتھیار اور جانوروں کے ذریعے ان کی مدد کی، اور ان کے ساتھ قریش کی ایک جماعت نے بھی چھپ چھپا کر لڑائی کی، جن میں سے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو شامل تھے۔ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی مگر بنو بکر نے حرم کی حرمت کا بھی پاس نہیں رکھا اور اس میں بھی خزاعہ سے لڑائی کی اور ان کے بیس سے زائد آدمیوں کو قتل کر دیا۔

اس طرح قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیئے گئے صلح کے معاہدہ کو توڑ دیا کیونکہ انہوں نے بنو بکر کی خزاعہ کے خلاف مدد کی، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف تھے۔ جب بنو خزاعہ نے اس کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ''میں تم لوگوں کو ضرور اس چیز سے روکوں گا جس سے میں اپنے نفس کو روکتا ہوں۔''

پھر قریش کو اپنے کیئے پر ندامت ہوئی، جس وقت کہ ندامت کا کوئی فائدہ نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے ابو سفیان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حدیبیہ کے عہد کی تجدید اور اسکی مدت میں اضافہ کے لیئے بھیجا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔

ابوسفیان نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین سفارشی بنانا چاہا تو سبھی نے انکار کر دیا۔ اسطرح ابوسفیان بغیر کسی عہد و پیمان میں کامیابی کے مکہ واپس آ گیا۔

قریش کے مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان شکنی کرنے کیوجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کرنے اور کفار کو سبق سکھلانے کا عزمِ مصمم کر لیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کی تیاری کی تو اس معاملہ کو خفیہ رکھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ مشرکوں کے گھروں میں ان کے سر پر یکایک پہنچ جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے اردگرد قبائل جیسے اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور سُلَیم وغیرہ کے لوگوں کو بلا بھیجا یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد دس ہزار کو پہنچ گئی۔ مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابورھم الغفاری رضی اللہ عنہ کو جانشین بنایا اور بدھ کے دن رمضان کے تقریباً دس دن گزرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے نکلے اور مقامِ قدید میں پہنچ کر جھنڈے اور پھریرے باندھے۔

قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کا پتہ نہ چلا تو ابوسفیان کو خبر کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا اور ان سے کہدیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمہاری ملاقات ہو تو ہمارے لیے پناہ طلب کرنا۔

ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء نکلے، جب انہوں نے مسلمانوں کی فوج کو دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی آواز سن لی اور فرمایا:

ابو حنظلہ! ابوسفیان نے کہا: "حاضر ہوں" عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یہ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں"۔ چنانچہ ابوسفیان اسلام لے آئے اور عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں پناہ دیدی اور وہ انہیں اور انکے دونوں ساتھیوں کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور ان دونوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو اسلامی لشکر کی گزرگاہ میں کھڑا کریں

تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اسلام اور مسلمانوں کی قوت وطاقت کا مشاہدہ کر سکیں۔عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو کوئی اعزاز عطا فرمادیں کیونکہ وہ اعزاز پسند آدمی ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا وہ مامون رہے گا، اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو گیا وہ بھی مامون رہے گا، اور جس نے اپنے دروازہ کو بند کر لیا وہ بھی مامون ہو گیا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو قتال کرنے سے روک دیا اور اپنے امراء کو یہ وصیت کی کہ صرف اسی شخص سے قتال کیا جائے جو قتال کرے چنانچہ مسلمانوں کو کسی مقابلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا سوائے خالد بن ولید کے جنہیں صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل نے خندمہ کے مقام پر قریش کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، ان پر ہتھیار سونت لیئے اور تیر اندازی کی تو خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں میں آواز لگائی اور ان سے جنگ کی۔

مشرکین کے تیرہ آدمی قتل ہوئے اور پھر شکست سے دوچار ہوئے، اور مسلمانوں میں سے کرز بن جابر رضی اللہ عنہ اور حبیش بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیئے مقام ”حجون“ کے پاس خیمہ لگایا گیا اور مکہ میں بغیر لڑائی کے (زبردستی) داخل ہوئے تو لوگوں نے چاہتے وناچاہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری ہی پر کعبہ کا طواف کیا اور کعبہ کے اردگرد اسوقت تین سو ساٹھ بت تھے۔

جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے کسی بت کے پاس سے گزرتے تو اپنی چھڑی (یا کمان) سے اس کی طرف اشارہ کر کے یہ پڑھتے:

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾[1]

---

[1] سورۃ الاسراء: [۸۱]

''اور اعلان کردے کہ حق آچکا اور ناحق نابود ہو گیا۔ یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔''

تو بت منہ کے بل گر جاتے۔ سب سے بڑا بت ''ھبل'' تھا جو کعبہ کے بالکل سامنے ہی تھا۔ پھر آپ ﷺ مقامِ ابراہیم کے پاس آئے اور اسکے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، پھر لوگوں کے پاس گئے اور فرمایا:

''اے قریش کی جماعت! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ لوگوں نے کہا: ''بھلائی کا، آپ ﷺ نیک بھائی ہیں، اور نیک بھائی کے بیٹے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

آپ ﷺ نے اس وقت جبکہ اللہ نے آپ ﷺ کو ان پر تسلّط عطا کیا تھا عفوعام کا اعلان کر دیا۔ ظالموں اور مجرموں پر تسلّط وقدرت کے بعد عفو ودرگزر کرنے میں ایک بے نظیر مثال ونمونہ قائم کیا، پھر آپ ﷺ صفا کے پاس بیٹھے اور لوگوں سے اسلام پر قائم رہنے اور پھر سمع واطاعت کرنے کی بیعت لی پھر لوگ پے در پے آنے لگے۔

اور یہ فتح جمعہ کے دن رمضان کے دس دن باقی رہنے پر ہوئی، اس کے بعد آپ ﷺ نے پندرہ راتیں مکہ میں گزاریں پھر آپ ﷺ حنین تشریف لے گئے، اور مکہ میں عتّاب بن اُسید کو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے مقرر کر گئے، اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اہلِ مکہ کو حدیث وفقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ [1]

[1] انظر: الوفاص: [۱۸۔۲۰۷] ھذا الحبیب یا محب صفحہ: [۳۵۴] وصحیح السیرۃ صفحہ: [۴۰۷]

انتالیسویں مجلس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو و درگزر

اللہ رب العالمین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں سے عفو و درگزر کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ ترش زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾ ﴾ [2]

''پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ، بے شک اللہ تعالیٰ

---

[1] سورۃ آل عمران: [۱۵۹]

[2] سورۃ المائدہ: [۱۳]

احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اس لیئے آپ ﷺ عفو ودر گزر کو پسند کرتے، درگزر کی طرف مائل ہوتے اور سزا کی طرف انتہائی ناگزیر صورت میں ہی متوجہ ہوتے تھے۔ سیرتِ نبوی میں آپ ﷺ کے عفو ودرگزر کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، انہی میں سے فتح مکہ کے بعد اہلِ مکہ والوں کی معافی ودرگزر کی مثال گزر چکی ہے۔

انہی میں سے ایک مثال یہ بھی ہے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:

"آپ ﷺ نے نجد کی طرف کچھ گھڑسوار بھیجے تو وہ بنوحنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ کر لائے جن کا نام ثمامہ بن اثال تھا جو یمامہ کے سردار تھے۔ انہیں مسجدِ نبوی ﷺ کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ آپ ﷺ انکے پاس آئے اور فرمایا کہ: "ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "میرے پاس اے محمد ﷺ بھلائی ہی ہے، اگر آپ ﷺ مجھے قتل کرتے ہیں تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر مجھ پر احسان کرتے ہیں تو ایک شکرگزار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ ﷺ مال چاہتے ہیں تو آپ ﷺ جتنا مانگیں دیا جائے گا" آپ ﷺ انہیں وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے پاس کیا ہے اے ثمامہ؟" انہوں نے کہا: "اس سے پہلے جو میں آپ ﷺ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ ﷺ قتل کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جو خون والا ہے، اگر آپ ﷺ انعام واحسان کرتے ہیں تو ایک شاکر پر انعام کریں گے اور اگر آپ ﷺ مال کے خواہشمند ہیں تو جتنا مانگیں دیا جائیگا۔" آپ ﷺ انہیں وہیں چھوڑ کر چلے گئے، یہاں تک کہ تیسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: "اب تم

کیا پاتے ہوائے ثمامہ؟'' انہوں نے کہا: ''جو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کہہ چکا ہوں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احسان و بھلائی کرتے ہیں تو ایک شاکر کے ساتھ احسان کریں گے، اگر قتل کرتے ہیں تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال و ثروت کے خواہشمند ہیں تو مانگئیے، دیا جائیگا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا: ''ثمامہ کو چھوڑ دو'' وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے اور غسل کیا، پھر مسجد میں تشریف لائے اور کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم! روئے زمین پر میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے ناپسندیدہ چہرہ کسی کا نہ تھا تو اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ میرے نزدیک سارے چہروں سے پسندیدہ ہو گیا ہے۔ اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی دین نہیں تھا، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین میرے نزدیک سب سے محبوب دین ہو گیا ہے۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر سے زیادہ مبغوض کوئی شہر نہ تھا، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہر میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہو گیا ہے۔ میں عمرہ ادا کرنے جارہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھڑ سواروں نے مجھے گرفتار کرلیا، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا خیال ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیدیا۔''

جب مکہ تشریف لائے تو کسی کہنے والے نے کہا: ''کیا تم بے دین [صابی] ہو گئے؟''[1] تو کہا: ''نہیں'' لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

---

[1] آج کل جو صحیح دین (قرآن و حدیث) کو اپنا لے اسے کہا جاتا ہے کہ کیا تم ''وہابی'' ہو گئے ہو؟ [ابوعدنان]

اسلام لے آیا، اور جان لو، اللہ کی قسم! اب تمہارے پاس گیہوں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے نہ آئیگا جب تک کہ آپ ﷺ اجازت نہ فرمادیں۔ [1]

آپ نے دیکھا کہ عفو و درگزر نے کس طرح دلوں کو بدل ڈالا، حالات میں تبدیلی پیدا کردی، دلوں کو (ہدایت کے لیئے) کھول دیا اور شرک و کفر کی تاریکیوں اور گمراہیوں کو کیسے کافور کردیا۔

آپ ﷺ کے عفو و درگزر کی مثالوں میں سے اس یہودیہ عورت کو معاف کرنا بھی ہے، جس نے آپ ﷺ کو بکری میں زہر ملا کر پیش کیا تھا، جسے آپ ﷺ نے کھایا مگر آپ ﷺ کو وہ خوشگوار نہیں لگا (اور اسے تھوک دیا) لیکن پھر آپ ﷺ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا جب بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ اس کو کھا کر نگل گئے اور ان کا انتقال ہوگیا، اسے بشر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے قصاصاً قتل کردیا گیا۔

آپ ﷺ کے عفو و درگزر ہی کی مثالوں میں سے وہ واقعہ بھی ہے جسے جابر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

"انہوں نے رسول ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف لڑائی کی، جب آپ ﷺ لوٹے تو وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ لوٹے، ایک بہت کانٹے دار وادی میں آپ ﷺ کے قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام کرنے) کا وقت ہوگیا تو آپ ﷺ وہاں پر اترے اور لوگ متفرق ہوکر درختوں کے نیچے آرام کرنے لگے۔ آپ ﷺ ایک ببول کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور اس سے اپنی تلوار کو لٹکا دیا۔"

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم لوگوں نے کچھ دیر آرام کیا ہی تھا کہ رسول ﷺ نے ہمیں بلایا،

[1] متفق علیہ۔ صحیح بخاری: [۴۳۷۲]، مسلم: [۱۷۶۴]، صحیح ابی داوٗد: [۲۶۷۹]، صحیح نسائی: [۷۱۱]، ابن حبان: [۱۲۳۹]

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں سو رہا تھا کہ اس نے میری تلوار لے لی، جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں تلوار سونتے ہوئے ہے اور مجھ سے کہا: ''تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟'' میں نے کہا: ''اللہ! تو یہ اب وہیں بیٹھا ہوا ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہ دی (بلکہ معاف کر دیا)۔ [1]

[1] رواہ البخاری: [۴۱۳۹]، مسلم: [۸۴۳]، ابن حبان: [۲۸۸۳-۴۵۳۷]

چالیسویں مجلس

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ... ③

بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت ومہربانی:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ بہت شفیق ورحیم اور مہربان تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، اقرع رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے دس بیٹے ہیں، میں نے ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اسکے ساتھ رحم نہیں کیا جاتا۔'' [1]

اور عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ دیہاتی آئے اور کہنے لگے: ''کیا تم لوگ اپنے بچوں کا بوسہ لیتے ہو؟'' لوگوں نے کہا: ''ہاں!'' انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! ''ہم تو ان کا بوسہ نہیں لیتے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت کو چھین لیا ہے تو کیا میں اس کا مالک ہوں۔'' [2]

ان دونوں حدیثوں میں بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی شفقت ومحبت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ بچوں کا بوسہ لینا رحمت وشفقت کے مظاہر میں سے ہے۔

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۵۹۹۷]، صحیح ابی داؤد: [۵۲۱۸]، صحیح ترمذی: [۱۹۱۱]، مسند احمد: [۱۴/ ۶۹]

[2] متفق علیہ۔ بخاری، مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد۔ صحیح الجامع: [۲۵۳۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ابھی گزرا ہے:

"جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمل کے حساب سے ہی بدلہ ہوتا ہے۔ جو شخص بچوں کو رحمت وشفقت سے محروم رکھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنی رحمت سے محروم کر دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ شفقت ورحمت کی مثالوں میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لختِ جگر ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس موت کے قریب جب وہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہوتے ہیں، داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"بے شک آنکھیں اشکبار ہیں، دل غمزدہ ہے، اور ہم وہی کہتے جس سے ہمارا رب راضی ہے، اور اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔" [1]

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف صبر ورضا اور امر الٰہی کی بجا آوری میں اپنے رب کی عبودیت کے حق کو پوری طرح ملحوظ وقائم رکھا اور دوسری طرف اپنے بیٹے کی جدائی پر غمزدہ ہونے، آنسو بہانے اور شفقت ورحمت میں اس کے حق کو ادا کر دیا اور یہ عبودیت کی کامل ترین صورتوں میں سے ہے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے لڑکے کا انتقال ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یہ کیا ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر ہی رحم کرتا ہے۔" [2]

بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومہربانی ہی میں سے یہ بھی ہے کہ:

---

[1] رواہ البخاری: [۱۳۰۳]، صحیح مسلم: [۲۳۱۵]، صحیح ابی داود: [۳۱۲۶]، صحیح ابن ماجہ: [۱۳۰۲]، ابن حبان: [۲۹۰۲] شرح السنہ بغوی: [۳/۲۸۶]

[2] متفق علیہ۔ بخاری: [۷۳۷۷]، مسلم: [۹۲۳]، صحیح نسائی: [۱۸۶۷]، صحیح ابی داود: [۳۱۲۵]، صحیح ابن ماجہ: [۱۳۰۱]، ابن حبان: [۳۱۵۸]

''آپ ﷺ ایک یہودی غلام کے پاس جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، اس کی بیماری میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہو: ''لا الٰہ الا اللہ'' تو غلام اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے باپ نے کہا: ابوالقاسم [ﷺ]! کی بات مان لو تو اس بچے نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر قسم کی تعریف اس رب کے لیئے ہے جس نے اس کو جہنم سے بچا لیا۔''[1]

آپ ﷺ کی بچوں کے ساتھ شفقت و مہربانی ہی میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ایک بچہ جسکا نام عمیر تھا، اس کے پاس ایک چھوٹا سا پرندہ تھا جس سے وہ کھیلتا تھا، اس پرندے کا انتقال ہوگیا۔ اس پر بچہ بہت غمگین ہوا تو نبیِ رحمت ﷺ اس کے پاس غمخواری و تسلی اور ہنسی و مزاح کے لیئے تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا:

''اے ابو عمیر! نغیر (چھوٹا پرندہ) نے کیا کیا۔''[2]

عبداللہ بن شداد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ ﷺ ہمارے پاس رات کی نمازوں میں سے ایک نماز میں تشریف لائے اس حال میں کہ حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو ساتھ لیئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ آگے بڑھے اور ان کو اتارا پھر نماز کے لیئے تکبیر کہی گئی تو آپ ﷺ نے نماز کے دوران ایک سجدہ بہت لمبا کر دیا۔ شداد رضی اللہ عنہ نے جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ بچہ آپ ﷺ کی پشت پر ہے۔ جب رسول ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! بے

---

[1] رواہ البخاری: [۱۳۵۶]، صحیح ابی داوٗد: [۳۰۹۵]، صحیح الادب المفرد: [۴۰۹]، ابن حبان: [۲۹۶۰]

[2] متفق علیہ: بخاری: [۶۱۲۹]، مسلم: [۲۱۵۰]، صحیح ابی داوٗد: [۴۹۶۹]، صحیح الادب المفرد: [۶۵۰]، مسند بزار: [۱۳/۴۲۵]

شک آپ ﷺ نے اپنی نماز کے دوران ایک سجدہ بہت لمبا کیا ہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ کوئی نئی بات پیش آگئی ہے یا آپ ﷺ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا، لیکن میرا یہ بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تو میں نے جلدی کرنے کو ناپسند کیا یہاں تک کہ وہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔''[۱]

آپ ﷺ کی بچوں کے ساتھ شفقت و مہربانی ہی میں سے یہ بھی ہے کہ:

''آپ ﷺ انصار کی زیارت کرتے، انکے بچوں کو سلام کرتے اور انکے سروں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے تھے۔''[۲]

کمسن بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ:

''آپ ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا اور آپ ﷺ انکے لیئے برکت کی دعا کرتے اور انکی تحنیک (یعنی اپنے منہ سے کھجور چبا کر انہیں دیتے تھے) کرتے تھے۔''[۳]

اور تبریک کے معنٰی یہ ہیں کہ آپ ﷺ ان پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے اور انکے لیئے دعا فرماتے۔ آپ ﷺ نماز پڑھتے تو امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوتے، جب سجدہ کرنا ہوتا تو انہیں اتار دیتے اور پھر جب قیام میں جاتے تو اٹھا لیتے۔

پس اللہ کی رحمت و سلامتی نازل ہو ایسے مہربان رحمت والے نبی ﷺ پر۔

---

[۱] صحیح النسائی: [۱۱۴۰]، وصححہٗ الالبانی فی اصل صفۃ الصلاۃ: [۲/۷۷۲] ایضاً

[۲] رواہ النسائی وصححہٗ الالبانی نیز دیکھیں بخاری: [۶۳۵۵]، مسلم: [۲۱۴۷]، صحیح ابی داؤد: [۵۱۰۶]، صحیح الجامع: [۴۸۷۶]، ابن حبان: [۱۳۷۲]

[۳] رواہ مسلم: [۲۱۴۷] وحوالہ جاتِ سابقہ

اکتالیسویں مجلس

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خادموں اور غلاموں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی ورحمت:

اسلام سے ماقبل خادموں اور غلاموں کے کوئی حقوق تھے نہ عزت وتکریم، جب اللہ رب العالمین نے اسلام کے ذریعے دنیا کو عزت بخشی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ظلم وبربریت کا خاتمہ کیا، انکے حقوق کو متعین کر کے ان پر ظلم کرنے والوں، انکے نقائص نکالنے اور عیب جوئی کرنے والوں یا ان پر لعن طعن کرنے والوں کو دردناک عذاب سے ڈرایا۔

معرور بن سوید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایک جوڑے میں ملبوس دیکھا، اور انکے غلام پر بھی اسی کے مانند ایک جوڑا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اسکے بارے میں پوچھا تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ''میں نے عہدِ رسالت میں ایک آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں عار دلائی تو اس آدمی نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک تمہارے اندر ابھی جاہلیت کی خو باقی ہے، تمہارے بھائی تمہارے خادم وغلام ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کیا ہے۔ جس شخص کے پاس کوئی اس کی ماتحتی میں ہو، اسے بھی وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے اور انہیں اتنے کام کا مکلف نہ بناؤ جو ان کی طاقت سے باہر ہو، ہاں اگر کبھی تم نے انہیں طاقت سے زیادہ کام دے دیا تو تم خود ان کی اس میں مدد کرو۔'' [1]

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۶۰۵۰]، مسلم: [۱۶۶۱]، صحیح ابی داؤد: [۵۱۵۷]

آپ نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح نوکر کو بھائی کے درجہ میں رکھا ہے تا کہ ہر مسلمان کے دل میں یہ بات جا گزیں ہو جائے کہ اگر اس نے اس خادم پر ظلم کیا یا کوئی برائی کی، یا ناحق اس کا مال کھایا تو وہ گویا ایسے ہی ہے جو اپنے بھائی کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے ساتھ بھلائی ونرمی میں مبالغہ سے پیش آنے کا حکم دیا اور انہیں بعینہ اسی جنس ونوعیت کا کھانا کھلانے، لباس پہنانے اور انکی عزت وتکریم کرنے کا حکم دیا جس طرح وہ اپنے لیئے پسند کرتا ہے، اسی لیئے ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے خادم کو اپنی ہی طرح کا جوڑا پہناتے تھے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں غلاموں یا نوکروں کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلّف کرنے سے منع فرمایا ہے، اور یہ انکے ساتھ تخفیف ونرمی اور انہیں راحت وآسانی پہنچانے کو متضمن وشامل ہے۔

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اپنے غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا کہ اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی ''خبردار اے ابو مسعود رضی اللہ عنہ!'' غصہ کی وجہ سے میں آواز کو پہچان نہ سکا، کہتے ہیں کہ جب وہ مجھ سے قریب ہوئے تو دیکھتا ہوں کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جو یہ کہہ رہے تھے: ''خبردار اے ابو مسعود رضی اللہ عنہ!'' میں نے اپنے ہاتھ سے کوڑا پھینک دیا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابو مسعود رضی اللہ عنہ! جان لو کہ جتنا تم اس غلام پر قادر ہو اس سے کہیں بڑھ کر اللہ تعالیٰ تم پر قادر ہے۔'' ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: ''اب میں اس کے بعد کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اللہ کے لیئے آزاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں آگ کے شعلے اپنی لپیٹ میں

لے لیتے۔"[1]

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"جس نے کسی غلام کو طمانچہ رسید کیا یا اسے مارا پیٹا تو اس کا کفّارہ یہ ہے کہ اسے وہ آزاد کردے۔"[2]

نبیؐ ﷺ ہی ہیں جنہوں نے کمزورں کو بچایا، غلاموں کو آزاد کیا، خادموں ونوکروں کو انصاف دلایا، شکستہ دل لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوئے، ان کی کمی کو پورا کیا، انکے دلوں کے زخموں کو بھرا اور انہیں آرام وراحت پہنچائی۔

ابومعاویہ بن سوید بن مقرن کہتے ہیں:

"میں نے اپنے ایک غلام کو طمانچہ رسید کردیا تو میرے باپ نے اسے اور مجھے بلوایا، پھر انھوں نے اسے حکم دیا:"اس سے بدلہ لو، کیونکہ ہم بنومقرن آپ ﷺ کے زمانہ میں صرف سات لوگ تھے، اور ہمارے پاس صرف ایک ہی خادم تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی نے اسے طمانچہ رسید کردیا "تو آپ ﷺ نے فرمایا:"اسے آزاد کردو" لوگوں نے کہا:"اسکے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا خادم نہیں ہے" آپ ﷺ نے فرمایا:"وہ ان لوگوں کی خدمت کرے یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہوجائیں (مالدار ہوجائیں) جب وہ بے نیاز (مالدار) ہوجائیں تو اسے آزاد کردیں۔"[3]

یہ ہیں محمد ﷺ اور یہ ہے آپ ﷺ کا غلاموں اور خادموں کے ساتھ موقف ورویہ،

---

[1] رواہ مسلم: [١٦٥٩]، صحیح ابی داؤد: [٥١٥٩]

[2] رواہ مسلم: [١٦٥٧]، ابوداؤد وصححہ الالبانی، صحیح الادب المفرد: [١٣٣]، صحیح الترغیب: [٢٢٧٨]، مسند احمد: [٧/ ١٦٣]، وصححہ احمد شاکر

[3] رواہ مسلم: [١٦٥٨]، صحیح ابی داؤد: [٥١٦٧]، السنن الکبریٰ نسائی: [٤٩٩٢]، صحیح الادب المفرد: [١٣٢]، مسند بزار: [٢٨٦/١١]

وہ لوگ جو انسانی آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں ان کو ان مواقف سے کیا نسبت ہے؟؟؟

آپ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کے ساتھ برتاؤ کا عملی نمونہ مشاہدہ کرتے چلیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا، اللہ کی قسم! کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اُف تک نہ کہا، اور نہ ہی کسی چیز کو میں نے کیا تو یہ کہا کہ: ''ایسا تو نے کیوں کیا''؟ اور نہ ہی کسی چیز کے نہ کرنے پر یہ کہا کہ: ''تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟''[1]

اور ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ:

''اور کسی چیز کے بارے میں مجھ پر عیب نہ لگایا۔''[2]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خادم سے کہا کرتے تھے:

''کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟۔''[3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مدینہ کی کوئی عام لونڈی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اپنے ہاتھ کو نہیں چھڑاتے یہاں تک کہ وہ مدینہ میں جہاں چاہتی اپنی حاجت کے پورا کروانے کے لیئے لے جاتی۔''[4]

---

[1] متفق علیہ۔ بخاری: [۶۰۳۸]، مسلم: [۲۳۰۹]، صحیح ابی داوٗد: [۴۷۷۴]، صحیح ترمذی: [۲۰۱۵]

[2] رواہ مسلم: [۲۳۰۹]

[3] رواہ احمد وصححہٗ الالبانی فی السلسلۃ الصحیحۃ: [۲۱۰۲]

[4] رواہ ابن ماجہ: [۳۳۸۶] وصححہٗ الالبانی

بیالیسویں مجلس

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت

جود وسخا، کرم وفیاضی اور رواداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت وفیاضی ہر درجہ کی سخاوت کو شامل تھی، جس کا اعلیٰ درجہ اللہ کے راستہ میں سخاوتِ نفس تھی جیسا کہ کہا گیا ہے:

یَجُوْدُ بِالنَّفْسِ اِنْ ضَنَّ الْبَخِیْلُ بِهَا

وَ الْجُوْدُ بِالنَّفْسِ أَقْصَیٰ غَایَةِ الْجُوْدِ

''اگر بخیل بخل سے کام لیتا ہے تو وہ اپنی جان کو بھی قربان کر دیتا ہے، کیونکہ جان کی سخاوت وفیاضی یہ انتہائی درجہ کی سخاوت مانی جاتی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں جان دینے کے لیۓ بھی تیار رہتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی میں لوگوں کی بہ نسبت دشمن سے سب سے زیادہ قریب ہوتے تھے اور بہادر وطاقتور ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر میں ہوتا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہوتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے علم کی بھی سخاوت کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کی بتائی ہوئی تمام چیزوں کی تعلیم دیتے تھے اور انہیں ہر طرح کی بھلائی کی تعلیم دینے کے بڑے حریص تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعلیم میں نرمی بھی کرتے اور فرماتے تھے:

''بے شک اللہ نے مجھے سختی کرنے والا اور تکلیف ومشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا ہے، بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔''[1]

---

[1] رواہ مسلم: [۱۴۷۸] نیز دیکھیں: صحیح ترمذی: [۳۳۱۸]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک میں تمہارے لیئے ایک والد کے درجہ میں ہوں، میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔''[1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب کوئی سائل سوال کرتا تو بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اس کے سوال سے بھی زیادہ جواب دیتے تھے، اور یہ علم کی سخاوت ہے جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمندر کے پانی کی طہارت کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''[2]

لوگوں کی ضرورت وحاجت کی تکمیل اور انکی خیر خواہی کی کوشش میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وقت وراحت کی سخاوت کرنے میں سب سے عظیم تھے اور اس سلسلہ میں یہی کافی ہے کہ:

''مدینہ کی لونڈی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیئے مدینہ میں جہاں چاہتی لے جاتی تھی۔''[3]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم جود وسخاوت پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بھی کوئی چیز مانگی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''نہیں'' نہ فرمایا۔''[4]

---

[1] رواہ احمد: [۱۳ / ۱۳۹] وصححہ احمد شاکر، وصحیح ابوداؤد: [۸] وحسنہ الالبانی فی صحیح الجامع: [۲۳۴۶]، البدر المنیر لابن الملقن: [۲ / ۲۹۷] وقال: اصلہ فی مسلم، صحیح نسائی: [۴۰]، ابن حبان: [۱۴۴۰]، صحیح ابن ماجہ: [۲۵۶]

[2] رواہ احمد: [۱۲ / ۳۰۰] وصححہ احمد شاکر واصحاب السنن، ترمذی: [۶۹]، ابن حبان: [۱۲۴۳]، صحیح ابن ماجہ: [۳۱۴]، صحیح نسائی: [۳۳۱]، صحیح ابی داؤد: [۸۳]

[3] رواہ ابن ماجہ: [۳۳۸۶] وصححہ الالبانی

[4] متفق علیہ، مسلم: [۲۳۱۱]، ابن حبان: [۶۳۷۶] شرح السنہ: [۷ / ۴۱]، مختصر شمائل الترمذی للالبانی: [۳۰۲]

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

”اسلام کا واسطہ دیکر (یا اسلام لانے پر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس چیز کا بھی سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو عطا کر دیا۔“

انس رضی اللہ عنہ کہتے کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والی بکریاں عطا کیں۔ اس نے اپنی قوم میں واپس جا کر کہا:

”اے میری قوم کے لوگو! اسلام لے آؤ، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا عطیہ دیتے ہیں کہ پھر فقر و فاقہ کا خدشہ نہیں رہ جاتا۔“ [1]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”آدمی اسلام لاتا اور اس کا ارادہ صرف دنیا کا ہی ہوتا تھا، پھر وہ شام نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ اسلام اسکے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہو جاتا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ حنین کے بعد صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ عطا کیے، تو انہوں نے فرمایا:

”اللہ کی قسم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بہت کچھ عطا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک سب سے ناپسندیدہ تھے، مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے عطا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔“ [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھلائی کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ سخی

---

[1] رواہ مسلم: [۲۳۱۲]، ابن حبان: [۶۳۷۴]، مسند بزار: [۱۳/ ۴۸۸]

[2] رواہ مسلم: [۲۳۱۳]

تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ سخی رمضان میں ہوتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبرائیل علیہ السلام ملاقات کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کا دور کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھلائی میں سخت ہوا سے بھی تیز ہوتے تھے۔" [۱]

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ بعض دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمٹ کر سوال کرنے لگے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھاڑ کر ایک ببول کے درخت کے پاس پہنچا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر چھین لی، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رک گئے اور فرمایا: "میری چادر لوٹا دو، اللہ کی قسم! اگر میرے پاس ان کانٹوں کی مقدار بھی اونٹ ہوتے تو میں انہیں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھے بخیل نہ پاتے اور نہ ہی جھوٹا اور بزدل پاتے۔" [۲]

بعثت سے پہلے بھی سخاوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غارِ حراء میں فرشتہ نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانپتے ہوئے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

"ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، مسکینوں کی خبر گیری کرتے ہیں اور حق کے راستے میں پیش آنے والے مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔"

---

[۱] متفق علیہ۔ بخاری: [۳۲۲۰]، مسلم: [۲۳۰۸]، صحیح نسائی: [۲۰۹۴]، ابن حبان: [۳۴۴۰]، مسند احمد: [۵/ ۱۴۳]

[۲] رواہ البخاری: [۲۸۲۱]، ابن حبان: [۴۸۲۰]، صحیح نسائی: [۳۶۹۰]

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئندہ کل کے لیئے کوئی چیز جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔''[1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''انصار کے کچھ لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیا، پھر انہوں نے مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیا، پھر انہوں نے مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیا، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ نہ رہ گیا تو فرمایا: ''میرے پاس جو ہوتا ہے، اسے میں تم سے (چھپا کر) ذخیرہ کر کے ہرگز نہیں رکھتا، اور جو پاکدامنی اختیار کرتا ہے، اللہ اسے پاک کر دیتا ہے، جو بے نیازی اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بے نیازی عطا کر دیتا ہے، جو صبر طلب کرتا ہے اللہ اسے صبر عطا کرتا ہے اور صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا۔''[2]

---

[1] رواہ الترمذی: [۲۳۶۲] وصحہ الالبانی، صحیح الجامع: [۴۸۴۶]، ابن حبان: [۶۳۵۶]، شعب الایمان بیہقی: [۲ / ۸۲۲]، مختصر الشمائل: [۳۰۴] وصحہ

[2] رواہ اصحاب السنن نیز دیکھیے: بخاری: [۶۴۷۰]، مسلم: [۱۰۵۳]، صحیح ابی داوٗد: [۱۶۴۴]، صحیح ترمذی: [۲۰۲۴]، صحیح نسائی: [۲۵۸۷]، ابن حبان: [۳۴۰۰]